

سیرت
میزبانِ رسول

حضرت ابوالیوب انصاریؓ

www.KitaboSunnat.com

طالب الہاشمی

ظلم پبلی کیشنز



۲۲ اے۔ ملک جلال الدین (وقف) بلڈنگ، چوک اردو بازار لاہور

Ph: 7231391 Mob: 0333-4470509



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

سیرت
میزبانِ رسول
حضرت ابوالیوب انصاریؓ

KitaboSunnat.Com

طالب الہاشمی

طالع پبلی کیشنز



۲۲ اے۔ ملک جلال الدین (وقف) بلڈنگ، چوک اردو بازار لاہور

Ph: 7231391 Mob: 0333-4470509

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ مصنف یا پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورت حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو ادارہ قانونی کارروائی کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

248,86
طہارل - مس



Kitabosunnat.com

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

ناشر : محمد عقیف طاہر
اشاعت اول : جون 2005ء
کمپوزنگ : محمد حبیب جمیل
قیمت : 120 روپے
میردن ملک : 7 امریکی ڈالر
مطبع : داؤد بندوقی پرنٹرز لاہور

مکتبہ الشانہ

۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

نمبر.....17045

ISBN 969 - 8810 - 06 - 4

اللہ کے اُن پاکباز اور برگزیدہ بندوں کے نام

جن کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

(سورۃ توبہ آیت: ۱۰۰)

وہ مہاجر اور انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر
لبیک کہنے میں سبقت کی نیزہ جو بعد میں راست بازی کے
ساتھ ان کے پیچھے آئے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے
راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے
ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں
گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔

فلک نے رشک سے دیکھا اس انصاریؒ کی قسمت کو

رسول اللہؐ سلام انصار کا لیتے ہوئے گزرے
 زباں سے خیر و برکت کی دعا دیتے ہوئے گزرے
 ہر اک مشتاق تھا پیارے نبیؐ کی میہمانی کا
 تمنا تھی شرف بخشیں مجھی کو میزبانی کا
 بہت ہی کشمکش تھی اشتیاقِ میزبانی کی
 نبیؐ نے اس عقیدت کی نہایت قدردانی کی
 کہا تم سب مرے بھائی ہو آپس میں برابر ہو
 تو مگر ہے وہی جو زہد و تقویٰ میں تو مگر ہو
 اقامت کو مگر میں نے خدا پر چھوڑ رکھا ہے
 کہ ناتقے کو فقط اس کی رضا پر چھوڑ رکھا ہے
 رکی یکبارگی ناقہ بجگیم حضرت باری
 جہاں اک سمت بہتے تھے ابوالیوب انصاریؒ
 فلک نے رشک سے دیکھا اس انصاریؒ کی قسمت کو
 ابوالیوبؒ گھر میں لے گئے سامانِ رحمت کو
 ”مبارک منزلے کاں خانہ راما ہے چنیں باشد
 ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشا ہے چنیں باشد“

(ابوالاثر حفیظ جالندھری)

ترتیب

صفحہ نمبر	عنوان
13	یہ کتاب جس سے روشنی پھوٹتی ہے (مولانا نعیم صدیقی)
19	پیش لفظ (مؤلف)
23	نسب اور خاندان
24	نام اور کنیت
24	سلسلہ نسب
24	ولادت
31	خاندان
31	مدینہ طیبہ اور انصار
32	شہر جمال مدینہ منورہ
34	فضائل مدینہ منورہ
34	خصائص مدینہ منورہ
36	مدینہ کے قدیم باشندے
37	اوس اور خزرج کی مدینہ میں آمد
40	یثرب کے یہودیوں کی تباہی
42	ایام الانصار

- 44 ----- زمانہ جاہلیت میں انصار کا تمدن
- 46 ----- اسلام سے پہلے انصار کا مذہب
- 49 ----- صبحِ سعادت کا طلوع
- 49 ----- نبی آخر الزماں کا انتظار
- 51 ----- سوید الکامل
- 54 ----- ارضِ یثرب کا پہلا مسلمان
- 55 ----- چھ سعید روہیں
- 56 ----- چراغ سے چراغ جلنے لگا
- 57 ----- بیعت عقبہ اولیٰ
- 58 ----- مدینہ میں حضرت مصعبؓ کی تبلیغی مساعی
- 63 ----- مقدس پیمانِ وفا
- 63 ----- شمعِ توحید کے بجھنے پر روانے
- 65 ----- خدمتِ نبوی میں حاضری
- 68 ----- انصار کے بارہ نقیب
- 76 ----- قریش کی تلملاہٹ
- 79 ----- سرورِ عالم ﷺ کی ہجرت
- 79 ----- جو رستم کا ہولناک طوفان
- 80 ----- کُفارِ مکہ کی ناپاک سازش
- 81 ----- ہجرتِ نبوی ﷺ
- 89 ----- قُباء میں درودِ مسعوو
- 91 ----- مسجدِ قُباء کی تاسیس

- 93 ————— زمین یثرب رشکِ فلک بن گئی
- 93 ————— تاریخ اسلام کا ایک تابناک دن
- 94 ————— سرورِ کونین ﷺ کی پہلی نمازِ جمعہ
- 94 ————— سرورِ کونین ﷺ کا فقید المثل استقبال
- 99 ————— یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
- 99 ————— اشتیاق و تمنا کی بے تابیاں
- 100 ————— یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
- 102 ————— سید البشر ﷺ کی والہانہ محبت
- 104 ————— حضرت عبداللہ بن سلام آغوشِ اسلام میں
- 106 ————— مسجد نبوی کی تعمیر
- 110 ————— خاندان ابویوب کا ایک اور شرف
- 111 ————— حضرت ابویوبؓ کے حق میں دعائے حفظ
- 113 ————— اُخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی
- 113 ————— *KitaboSunnat.Com* مؤاخاة
- 116 ————— رشتہ مؤاخاة کی حکمت
- 118 ————— انصار کا فقید المثل ایثار و اخلاص
- 121 ————— حضرت ابویوب کے مؤاخاتی بھائی
- 121 ————— پاکباز نوجوان
- 123 ————— الوداع اے ارضِ مکہ الوداع
- 129 ————— تین سوتیرہ میں سے ایک
- 129 ————— راہِ حق کے تین سوتیرہ سرفروش

- 130 ----- جنگِ بدر کی اہمیت
- 131 ----- غزوہ بدر کے اسباب و علل
- 133 ----- سرِ پیہ عبداللہ بن محش
- 134 ----- قریش کی یلغار
- 135 ----- انصار کا جوشِ جہاد
- 136 ----- میدانِ بدر
- 137 ----- ایک عجیب نظارہ
- 140 ----- لڑائی کا آغاز
- 142 ----- شوقِ شہادت کی انتہا
- 143 ----- واہ والے حارث
- 144 ----- ابوالختری کا قتل
- 146 ----- ابوجہل کا قتل
- 148 ----- فتحِ مبین
- 151 ----- بیعتِ رضوان
- 151 ----- جنگِ احد اور احزاب میں شرکت
- 154 ----- بیعتِ رضوان
- 157 ----- صلح حدیبیہ
- 163 ----- غزوہ خیبر سے حجۃ الوداع تک
- 163 ----- غزوہ خیبر میں شرکت
- 164 ----- فتحِ مکہ
- 167 ----- جنگِ حنین
- 170 ----- انصار کے لیے ہے خدا کا رسول مبعوس

- 171 ----- غزوہ تبوک
- 172 ----- حجۃ الوداع میں سرورِ عالم کی ہمرکابی
- 175 ----- حیدر کرار کی پر جوش رفاقت
- 175 ----- وصالِ نبوی کے بعد
- 176 ----- عہدِ فاروقی کے معرکوں میں شرکت
- 177 ----- مسلمانوں کی امامت
- 177 ----- وظیفہ اور اعزاز میں اضافہ
- 178 ----- امارتِ مدینہ
- 179 ----- جنگِ نہروان
- 183 ----- میدانِ جہاد میں سفرِ آخرت
- 183 ----- ایک عظیم بشارت
- 185 ----- فضیلتِ جہاد
- 186 ----- قیصرِ روم کے خلاف جہاد
- 186 ----- جہادِ قسطنطنیہ
- 188 ----- میدانِ رزم میں
- 190 ----- مرضِ الموت اور وصیت
- 191 ----- تجہیز و تدفین
- 192 ----- فتحِ قسطنطنیہ
- 198 ----- تربتِ ابویوبؓ کی تلاش
- 199 ----- درگاہِ حضرت ابویوب انصاریؓ
- 201 ----- خانگی زندگی
- 201 ----- ازواج و اولاد

204	ذریعہ معاش
207	عظمتِ کردار
207	حبِ رسولؐ
209	خاندانِ نبوت سے تعلق خاطر
209	شوقِ جہاد
210	حق گوئی و پیرا کی
211	غلامِ نوازی
212	جذبہٴ اصلاح
212	حیا
213	فضل و کمال
213	حفظِ قرآن
213	علمی مرتبہ
214	تفقہ فی الدین
217	شغفِ حدیث
217	طلبِ حدیث
219	اشاعتِ حدیث
219	روایتِ حدیث
223	کتابیات

اہم حواشی

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۲۵	ہاشم بن عبد مناف	۱-
۲۶	حلیہ سعدیہ	۲-
۲۸	حضرت اُمّ ایمنؓ	۳-
۳۸	سیلِ عِرم	۴-
۵۱	وہ نبی	۵-
۵۱	لقمان	۶-
۵۸	حضرت اسعد بن زرارہ	۷-
۵۸	حضرت سعد بن معاذ	۸-
۵۹	حضرت انس بن حُصَیر	۹-
۶۱	حضرت سعد بن عبادہ	۱۰-
۸۸	حضرت سراقہ بن مالک بن جُحَشم	۱۱-
۹۰	حضرت کلثومؓ بن الہدم	۱۲-
۱۱۴	حضرت انسؓ بن مالک	۱۳-
۱۲۶	حضرت انسؓ بن نضر	۱۴-
۱۵۵	حضرت عروہ بن مسعود ثقفی	۱۵-

۱۵۸	حضرت سہیلؓ بن عمرو	-۱۶
۱۷۵	حضرت حبابؓ بن منذر انصاری	-۱۷
۱۷۸	حضرت سہلؓ بن حنیف	-۱۸
۱۸۳	حضرت امّ حرامؓ	-۱۹
۱۹۳	آقا ٹیس الدینؓ	-۲۰
۲۰۱	خواجه عبداللہ انصاریؒ	-۲۱
۲۱۷	حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی	-۲۲
۲۱۸	حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری	-۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ کتاب

جس سے روشنی پھوٹتی ہے

(مولانا نعیم صدیقی مرحوم)

ایک مسلمان کے نقطہ نظر سے جب میں اپنے معاشرے کے روز افزوں اخلاقی انحطاط کو دیکھتا ہوں اور بحیثیت مجموعی پوری نوع انسانی علمی ترقیات کے باوجود انسانیت کے مقام شرف سے جتنی زیادہ نیچے گرتی جا رہی ہے اس پر غور کرتا ہوں تو میرا پورا وجود ایک درد مندانہ اضطراب میں گھر جاتا ہے۔

کاش کہ تاریکی کے اس تسلط کو بیک جنبش برطرف کر دینا ممکن ہوتا مگر تاریخ کے قوانین و عوامل کے زو سے ایسا ہوتا نہیں۔ جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اصحاب ایمان و شعور جتنے بھی دیے جلا سکتے ہوں، جلاتے چلے جائیں تاکہ ظلمت زدگان کے دلوں میں روشنی کی پیاس اور روشنی کی محبت پیدا ہو اور تاریکیوں سے نجات پانے کا جذبہ!

اس مقصد کے لیے کام کرنے کی ایک بہت ہی مؤثر و مبارک راہ یہ ہے کہ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی مقدس و مبارک زندگی اور سیرتوں کو خواص و عوام اور کمزور اور بیگانوں کے سامنے ضوئاً نقل کیا جائے۔ اس طرح کے کام کا میدان بڑا وسیع ہے اور اردو میں اب تک جو قابل قدر اور گراں بہا کام ہو چکا ہے اس سے بہت زیادہ کام ابھی مردان کار کے انتظار میں ہے۔

مجھے دلی مسرت ہے کہ اس سلسلے میں میرے ایک مخلص محب جناب طالب الہاشمی نے

اپنے لیے بہت ہی اچھا میدان کار تلاش کیا ہے۔ حضور پیغمبر آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کے بعد ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شخصیتوں کی تجلیاتِ ایمان و کردار کو پھیلانا ایک عظیم کام ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تزکیہ سے تیار کیا اور جن کے جلال و جمال میں خود معلم و موزن کی سیرت کا انعکاس ملتا ہے۔ یہ تھیں وہ ہستیاں جن کے ایثار و تعاون سے الہامی ہدایت کی بنیادوں پر ایک مثالی سوسائٹی اور نمونہ کی ایک اسلامی ریاست صورت پذیر ہوئی۔ ان کی سیرتوں کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ قرآن کے انسانِ مطلوب کے خدو خال کیا ہیں، حیاتِ طیبہ کیا ہوتی ہے جس کے ثمرات میں حسانِ دنیا اور حسانِ آخرت ہیں، نیز ایسے لوگوں کے تعاون سے کس شان کا معاشرہ تیار ہوتا ہے۔

جناب طالب الہامی جنہوں نے متعدد دوسری تصانیف کے علاوہ سیر الصحابہ و اکابرِ اہل بیت کے سلسلہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن زبیر، سلطان نور الدین زنگی، الملک الظاہر بھرس، ملک شاہ سلجوقی، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، بابا فرید الدین گنج شکر اور خواجہ حمیری کی سیرت و سوانح پر بہت جامع کتابیں لکھی ہیں، ان کے قلم سے حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات پر مشتمل ایک کتاب میرے سامنے ہے جس کا ترمیم شدہ ایڈیشن پریس میں جانے کے لیے تیار ہے۔

ظہور اسلام کا قرنِ سعادت جو بلا واسطہ قائدِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انوار سے مالا مال ہوا، اس کی معرفت حاصل کرنے کے لیے جن اصحابِ کبار کے احوال و مقامات کا مطالعہ ضروری ہے ان کی صفِ اول میں جو چند نام گنوائے جاسکتے ہیں، ان میں سے ایک حضرت ابویوب انصاری (رضی اللہ عنہ) کا مبارک نام بھی ہے۔

ہاشمی صاحب نے اپنے لکھے ہوئے پیش لفظ میں اجمالاً اس رعبہ بلند کا ذکر کر دیا ہے جو خدائے بخشنده نے حضرت ابویوب انصاریؓ کو ارزانی فرمایا۔ آپ انصارِ مدینہ کے مَبَاقُونَ الْاَوَّلُونَ میں سے تھے۔ انہوں نے بیعت عقبہ کبیرہ میں (زمانہ تیرہویں سالِ نبوت کا تھا) اوس و خزرج کے ۷۳ مردوں اور ۲ خواتین کے ساتھ حضور ﷺ سے پیمانہ وفا

۱۔ ارشاد نبوی ﷺ: اَلْصَّحَابِيُّ كَالْجُحُومِ بِأَيِّهِمْ اِفْتَدَيْتُمْ اِفْتَدَيْتُمْ (اوکا قال)

باندھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے پر میزبان رسول ﷺ بنے، وہ ۳۱۳ مجاہدین بدر میں سے ایک تھے، وہ ان چودہ سواصحاب الشجرہ میں شامل تھے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان کی سعادت حاصل کی، انہوں نے تمام غزوات نبوی میں حصہ لیا، وہ ضعیفی کے عالم میں (جبکہ عمر ۸۰ برس سے زیادہ تھی) جہاد فی سبیل اللہ کے جذبے سے سرشار ہو کر اسلامی لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچے اور وہیں اس عالم فنا سے دائر آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہ حفظ قرآن اور علم و تقیہ سے بہرہ مند تھے، ان کے ذریعے متعدد احادیث اُمت کی پہنچیں اور بعض مواقع پر آپ نے غیر مشروع امور اختیار کرنے یا عبادات و اخلاق کے معیار میں کمی لانے پر متعلقہ افراد پر گرفت کی اور حق گوئی کا حق ادا کیا۔ اسی موقع پر آیت قرآنی لَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ کی جو صحیح تفسیر آپ نے بیان فرمائی، اس سے اگر دل منور نہ ہوتے تو اُمت کا مزاج ہی دوسرا بن جاتا۔

میرا کام ان تعارفی سطور کو لکھتے ہوئے یہ نہیں ہے کہ میں ان مختلف مباحث پر تحقیق کروں اور پھر اپنی آراء کی روشنی میں بحثیں اٹھاؤں، میرے لیے یہی امر باعث تسلی ہے کہ طالب الہامی صاحب ایمان و اخلاص سے بہرہ مند ہیں۔ دین و ملت کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، مطالعہ و تحقیق ان کا مستقل مشغلہ ہے اور وہ جب بلند پایہ اسلاف کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو سرسری قسم کی مضمون نگاری نہیں کرتے بلکہ اچھی اچھی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ یوں تاریخ اور سیر کے دواڑے ایسے ہیں کہ ان میں سلسلہ ہائے نسب اشخاص، واقعات کی تفصیلات اور متعلقہ تاریخوں اور سنین پر بحثیں اٹھتی ہی رہتی ہیں۔ مثلاً اس کتاب کے ابتدائی مباحث میں یہ سوالات کہ انصار قحطانی تھے یا اسمعیلی، مدینہ میں وہ کب آئے، کون سے سبیلِ غرم کے بعد ان کے مہوڑ نے علاقہ رسبا کو چھوڑا، وغیرہ ایسے ہیں کہ ان پر پہلے بھی بحثیں ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گی۔ کسی کے نزدیک ایک طرح کی روایات کا پلڑا جھٹکا ہوا ہوگا، کسی کے نزدیک دوسرا۔ جہاں تک خود حضرت ابو ایوبؓ انصاری کی سیرت و سوانح کا تعلق ہے، اس میں اگر غور و بحث کے اکاد کا مواقع ہوں بھی تو

تفصیل میں ہو سکتے ہیں۔ مجموعی نقشہ کردار اور سلسلہ واقعات میں کیا اختلاف! ہاشمی صاحب نے جس بھی صحابی کے حالات لکھے ہیں اس میں سیرت النبی ﷺ کا جو ذکر لازم آتا ہے اس سے کچھ بڑھ کر پورا وہ واقعہ یا معاملہ بیان کر دیتے ہیں جس کے نقشے میں کسی صحابی کا کردار زیادہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔ یعنی شخصیتوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام کے ابتدائی ابواب سعادت بھی سامنے آ جاتے ہیں۔

ایک بات کی ضرورت جو مجھے خود اپنی کتاب (محسن انسانیت) کے بارے میں محسوس ہوئی اس کو بطور مشورہ طالب الہاشمی صاحب سے بھی کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ دور جس میں جہالت نے علم کا زرق برق لباس پہن رکھا ہے اور اس پر ڈگریوں اور ڈپلوموں کے تمنے سجا رکھے ہیں ان میں علوم دین اور عربی زبان سے بعد اتنا بڑھ گیا ہے کہ اپنی کتابوں میں صحابہ کرامؓ دیگر متعلقہ اعلام اور مقامات اور کتب کے ناموں کو لازماً اعراب کے ساتھ لکھنا ضروری ہو گیا ہے۔

۱۔ میں نے ریڈیو سے (جو پوری قوم کا مطمئن ہے) خود مشہور صحابی سلمہ بن الاکوعؓ کا نام سلمہ بن اکوعؓ (بلکہ ”ع“ کے ادا نہ ہونے کی وجہ سے اکو) سنا اور سردھنا۔ اسی طرح معاصر عظماء کے عربی ناموں کا بھی ریڈیو والوں کے ہاتھوں حلیہ بگڑتے دیکھا۔ مثلاً اگر کہنا ہے بن السعد تو کہیں گے بن السعد۔ پچاروں کو عربی کے ششی و قمری حروف کا فرق کیسے معلوم ہو۔ ادھر بی بی سی سے ہمارے اردو کے نمائندگان نہایت اچھی زبان بولتے ہوئے عربی الفاظ آنے پر بڑے لطائف پیدا کرتے ہیں مثلاً معتد بہ کو معتد بہ بار بار بولا جا چکا ہے۔ اسی سلسلے میں یاد آیا کہ لاہور سے لندن تک ایک اور لفظ بار بار ہوا کی لہروں پر سوار کانوں کو چھینتا ہوا گزرتا ہے وہ ہے ”ثبت“ اصل عربی لفظ ہے ”ثبت“ اور بطور غلط العام رائج ہے ”ثبت۔“ لفظوں کا حلیہ بگاڑنے والوں کی زد سے معافی پچارے کب محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور بہت مثالیں ہیں مگر یہاں زیادہ تفصیل دینے کی گنجائش نہیں۔ فی الحقیقت ہمارے دور کے لوگ لغت کی طرف تو رجوع کرتے ہی نہیں۔ یہی سبب ہے کہ تلفظ اور املا کی غلطیوں کی بھرمار ہو گئی ہے۔ میں تو اس کا قائل ہو گیا ہوں کہ جو قوم زبان کے معاملے میں لاپرواہ ہو وہ معاشرت میں بدلیقہ معیشت میں خستہ حال اور سیاست میں شعور سے خالی ہوگی۔

اس بابرکت کتاب کے متعلق مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے!..... اور کیا کہوں؟ بس یہ دعا ہے کہ جیسا کہ جناب مؤلف نے ذاتی طور پر مجھ سے اپنے آئندہ عزائم کا اظہار کیا ہے، ان کے قلم پر بہار کی شاخ پر ایسے اور بھی حسین پھول کھلیں۔ نیز خود فراموشی طاری کرنے والی کہانیوں اور ان سے حاصل ہونے والے وسیع مالی فوائد کے اس دور میں خود شناسی اور خدا شناسی کا درس دینے والی جو کتابیں طالب الہامی صاحب اپنی بھاری مصروفیات میں سے وقت نکال کر لکھ رہے ہیں، انہیں خدا تعالیٰ قبولیت عام عطا فرمائے اور ان کے ذریعے خیانت و فاشی میں ڈوبتی ہوئی زندگیوں میں سے زیادہ سے زیادہ تعداد کو بچا نکالے۔

عوام پسند اور منفعت بخش مگر عوام کو فلاح و سعادت سے دور لے جانے والی تحریریں لکھنا اور بچنا ایسا ہی ہے جیسے دکھ درد دور کرنے والی دواؤں کے بجائے لوگوں کو ”راکٹ“ اور ”ہیروئن“ اور ”ایل ایس ڈی“ جیسی تباہ کن منشیات فراہم کی جائیں اور اپنے ہی برادران دین و وطن کی زندگیاں تباہ کر کے ان کی جیبوں پر ہاتھ صاف کیا جائے۔ جو مصنف ایسے عوام پسند اور عوام بگاڑنے والے بخش مشغلوں سے کنارہ کر کے ان کی حقیقی فلاح کے لیے کام کرتا ہے اور اپنے کام سے دنیا میں نہایت معمولی فائدہ بصد مشکل حاصل کرتا ہے وہ ایک ایسی قربانی پیش کرتا ہے جس سے دنیا میں اسے اس خیال سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے کہ کارے کر دم اور آخرت میں اس قربانی کی بہترین جزا اس کے لیے مقدر ہوتی ہے۔ خدا اور رسول کی محبت دین کی سر بلندی اور عوام کی بھلائی کے لیے خلوص سے لکھا ہوا ایک ایک لفظ آخرت میں میزانِ عمل کے نیکی کے پلڑے کا وزن بڑھا دے گا۔

مجھے امید ہے کہ ہاشمی صاحب کا تصنیفی کام ان کے لیے بہترین سرمایہ آخرت ہوگا۔

نیاز کیش

نعیم صدیقی

۴ فروری ۱۹۷۶ء

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نُحَمِّدُهُ وَنُسْتَعِیْنُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

پیش لفظ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی ایک مہتمم بالشان شخصیت ہیں۔ دنیائے اسلام میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو ان کے اسم گرامی سے نا آشنا ہو۔ حضرت ابو ایوبؓ آسمان فضیات کا بدر کمال تھے۔ ان کی پوری زندگی سالار انبیاء سید البشر رحمۃ اللعالمین جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ اطاعت، جاں نثاری اور تائید و نصرت میں گزری۔ ان کی عظمت و شان کیا تھی؟ اس کا اندازہ آپ ان واقعات سے کر سکتے ہیں:-

۱- وہ انصار کے سَابِقُونَ اَلَا وُلُون میں سے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں نزولِ اِجْلَال فرمانے سے پہلی ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

۲- انہوں نے بیعت عقبہ کبیرہ میں اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ ہادی اکرم ﷺ سے یہ مقدس پیمانِ وفا باندھا کہ وہ اپنی جان، مال اور اولاد کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد اور حفاظت کریں گے۔

۳- ان کو اس ذات اقدس ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ بنا کر مبعوث فرمایا اور یہ اتنا عظیم شرف تھا کہ دوسرے صحابہ کرام ان پر رشک کیا کرتے تھے۔

۴- وہ میدانِ بدر کے تین سوتیرہ نفوسِ قدسیہ میں سے ایک تھے۔

۵- وہ ان چودہ سو صحابہ عظام میں شامل تھے جو بیعت رضوان سے مشرف ہوئے اور ایسی سرفروشی اور فداکاری کا مظاہرہ کیا کہ تاریخِ عالم میں اس کی مثال ناپید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فخرِ موجودات ﷺ کے ان جاں نثاروں کو ”اصحابِ الشجرۃ“ کے نام سے پکارا اور کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی۔

۶- وہ ان دس ہزار قدوسیوں میں سے ایک تھے جن کو فتح مکہ کے وقت ہادی کو نین ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

۷- وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں والہانہ شوق سے شریک ہوئے۔

۸- وہ خلافتِ راشدہ میں بھی برابر جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں جب ان کی عمر اتنی برس سے اوپر تھی، ایک طویل اور پُرصعوبت سفر کے بعد محض جہاد فی سبیل اللہ کے لیے قسطنطنیہ پہنچے اور میدانِ جہاد میں واصل بحق ہوئے۔

یہ کتاب اسلام کے اسی بطلِ جلیل کی سیرت ہے۔ اسے مرتب کرتے وقت عاجز نے جہاں تک بن پڑا کوشش کی ہے کہ میزبانِ رسول ﷺ کی زندگی کا کوئی واقعہ چھوٹنے نہ پائے۔ اگر کوئی واقعہ معرضِ تحریر میں نہیں آسکا یا تفصیل سے قلمبند نہیں کیا جاسکا تو اس کی وجہ مؤلف کی علمی بے بضاعتی یا بعض کیاب کتابوں تک اس کی نارسائی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت ابویوب انصاریؓ کے مکمل سوانح حیات پیش کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ مدینہ منورہ اور انصاریؓ کی اجمالی تاریخِ سرور کو نین ﷺ کی سیرتِ پاک کی کچھ جھلکیاں اور تاریخِ اسلام کے بعض ایسے واقعات جن کا حضرت ابویوبؓ سے کچھ نہ کچھ تعلق رہا ہے، اس کتاب میں درج کر دیے جائیں۔ اس طرح یہ ایک ایسا مرقع بن گئی ہے جس میں آپؐ کا جبارِ اہق میں بلاکشی سرفروشی، فداکاری اور عشقِ رسول ﷺ کی ایمان افروز اور پاکیزہ تصویریں دیکھ سکیں گے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے اگر ایک مسلمان کی آنکھیں بھی درد اور خلوص کے آنسوؤں میں ڈوب گئیں اور اس کے دل میں رحمتِ دو عالم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی محبت کا جذبہ موجزن ہو گیا تو یہ عاجز سمجھے گا کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی ورنہ حقیقت تو

یہ ہے کہ ۔

زمدحِ ناتمامِ ماجمالِ یارِ مستغنی است
 بآبِ درنگِ و خالِ و خطِ چہ حاجتِ روئے زیبارا
 آخر میں یہ عاجز نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ قارئینِ کرام سے چُرسوز دعائے خیر
 کی استدعا کرتا ہے نیز درخواست کرتا ہے کہ وہ ازراہِ کرم اس کتاب کے اسقام سے اسے
 مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں انہیں دور کیا جاسکے۔

والسلام

راجی غفران و شفاعت

طالب الہاشمی

لاہور

(۷ اکتوبر ۱۹۶۲ء (مطابق ۷ جمادی الاول ۱۳۸۲ ہجری)

(نظر ثانی یکم مارچ ۲۰۰۵ء)

www.KitaboSunnat.Com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا

نسب اور خاندان

نام اور کنیت

”خالد“ نام اور ”ابو ایوب“ کنیت تھی۔ چونکہ مالک بن نجار کی اولاد سے تھے اس لیے بعض دفعہ انہیں المالکی اور انصار کے ازدی ہونے کی وجہ سے ”الازدی“ بھی لکھا جاتا ہے۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان کی کنیت ”ابو ایوب“ اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ بہت کم لوگوں کو ان کا اصل نام معلوم تھا۔ جس پر آشوب زمانے میں باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور وہ نماز کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے، بعض اصحاب نے حضرت علیؓ کی کرم اللہ وجہہ سے درخواست کی کہ وہ مسجد نبویؐ میں آ کر نماز پڑھائیں۔ حضرت علیؓ نے خود تو نماز پڑھانے سے معذرت کر دی البتہ فرمایا:

”خالد بن زید سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔“

لوگوں نے پوچھا ”کون خالد بن زید؟“

آپؐ نے فرمایا ”ابو ایوب“ اس دن علمۃ الناس کو حضرت ابو ایوبؓ کا اصل نام معلوم ہوا۔ اردو کی بعض تاریخوں میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا نام حضرت ”ایوب انصاری“ دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ سخت غلطی ہے۔ ”ایوب“ حضرت خالد بن زید کے ایک بیٹے کا نام تھا اور انہی کے نام کی نسبت سے ان کی کنیت ”ابو ایوب“ تھی۔

سلسلہ نسب

حضرت ابویوب انصاریؓ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

خالد (ابویوبؓ)

بن

زید

بن

کلب

بن

ثعلبہ

بن

عبد عوف خزرجی

حضرت ابویوبؓ کی والدہ کا نام ہند (اور ایک دوسری روایت کے مطابق زہرا)

بنت سعد خزرجی تھا۔ وہ حضرت ابویوبؓ کے والد زید بن کلب کی ماموں زاد بہن تھیں۔

ولادت

حضرت ابویوب انصاریؓ ہجرت نبویؐ سے اکتیس برس قبل (۴۰ عام الفیل میں)

یثرب (مدینہ منورہ) میں پیدا ہوئے۔

خاندان

حضرت ابویوب انصاریؓ انصارِ مدینہ کے قبیلہ خزرج کی ایک شاخ ”بنو نجار“ سے

تعلق رکھتے تھے اور خاندان ”بنو نجار“ کے رئیس تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

۱۔ بنو نجار کے مورث اعلیٰ کا نام تیم اللات (یا بروایت دیگر تیم اللہ) بن ثعبہ بن عمرو بن خزرج

تھا۔ اس کے لقب نجار کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے کسی

مغص کو تیشے سے ہلاک کر دیا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے اپنا خنجر اپنے ہاتھ سے

کیا تھا اس لئے نجار مشہور ہو گیا۔

پردادی سلمیٰ (حضرت عبدالمطلب کی والدہ) مدینہ منورہ کے خاندان ”بنی نجار“ ہی سے تھیں۔ حضرت ہاشم بن عبدمنافؑ (رسول اکرم ﷺ کے پردادا) ایک دفعہ تجارت کے لیے شام جا رہے تھے۔ راستے میں ان کا قیام مدینہ منورہ میں ہوا۔ وہاں ہر سال ایک بازار لگتا تھا جس میں اہل مدینہ اور قرب وجوار کے لوگ کثرت سے شریک ہوتے تھے۔ اتفاق سے ان دنوں مدینہ میں یہی بازار لگا ہوا تھا۔ ہاشم بازار میں گئے تو وہاں ہایک حسین و جمیل خاتون پر نظر پڑی جس کے بشرہ سے نجات اور حیا چلتی تھی۔ ہاشم نے اس کے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ سلمیٰ نام ہے اور خاندان نجار سے ہے۔ حضرت ہاشم نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔ شادی کے بعد ہاشم چند دن مدینہ منورہ میں ٹھہرے اور پھر اپنی منزل مقصود شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں پیغام اجل آ پہنچا اور وہ غزہ کے مقام پر خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت سلمیٰ حمل سے تھیں۔ چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ یہی شیبہ جو بعد میں ”عبدالمطلب“ کے نام سے مشہور ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ شیبہ عبدالمطلب کے نام سے کیوں مشہور ہوئے؟ ارباب سیر نے اس سلسلہ میں بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ ان میں معتبر ترین روایت یہ ہے کہ شیبہ نے آٹھ برس تک مدینہ منورہ میں اپنی والدہ کے پاس پرورش پائی۔ اس کے بعد ہاشم کے بھائی مطلب بن عبدمناف انہیں مدینہ سے اپنے پاس مکہ لے آئے اور نہایت محبت اور دلسوزی سے ان کی پرورش کی چونکہ یتیم تھے اس لیے لوگوں میں

- ۱۔ ہاشم کا اصل نام عمرو تھا اور وہ عمر والہا کے لقب سے مشہور تھے۔ وہ قریش کے رئیس اور بڑے با اثر صاحب صولت اور فیاض آدمی تھے۔ انہوں نے تجارت کو نہایت ترقی دی اور قیصر روم اور حبش کے شاہ نجاشی سے قریش کے سامان تجارت پر محصول معاف کر دیا۔ ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا۔ اس وقت وہ مالی تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے قحط کا حال سنا تو تمام اونٹوں پر آٹا اور روٹیاں (یا اناج) لا دلائے اور مکہ پہنچ کر لنگر جاری کر دیا۔ گوشت کے شوربے میں روٹیاں توڑ کر ڈالتے تھے اور ہر ایک کو دعوت دیتے تھے کہ آ کر اس میں سے کھائیں۔ عربی میں ہشتم ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو کہتے ہیں اس لیے ان کا نام ہاشم مشہور ہو گیا۔
- ۲۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالمطلب کا اصل نام ”عبدالمحمد“ تھا۔

عبدالمطلب (غلام مُطَلَّب) کے نام سے مشہور ہو گئے۔

”خاندانِ نجار“ یوں تو خود ہی ایک ممتاز خاندان تھا لیکن حضرت عبدالمطلب کا نانہال ہونے کی وجہ سے (اور یوں بالواسطہ سرورِ دو عالم ﷺ سے قرابت داری کی بدولت) یہ قبائلِ مدینہ میں ممتاز ترین خاندان سمجھا جاتا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی ایک بیوی خولہ بنت قیس بھی بنونجار سے تھیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی مدینہ طیبہ کے خاندانِ نجار سے تھیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راویوں کو اس معاملہ میں کسی وجہ سے تسامح ہوا ہے۔ حضرت آمنہ قریش کے قبیلہ زہرہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اپنے والد وہب بن عبد مناف کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کے پاس پرورش پائی۔ وہیب کی صاحبزادی ہالہ کی شادی حضرت عبدالمطلب سے ہوئی اور حضرت آمنہ کا عقد جناب عبد اللہ بن عبدالمطلب سے ہوا۔ ہالہ کے بطن سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف چچا ہی نہیں بلکہ خالہ زاد بھائی بھی تھے۔

حضرت آمنہ سے عقدِ نکاح کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جناب عبد اللہ بن عبدالمطلب تجارت کے لیے شام گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ منورہ میں ٹھہرے اور چند دن بیمار رہ کر یہیں وفات پائی۔ گمانِ غالب ہے کہ مدینہ منورہ میں ان کا قیام بنونجار کے ہاں ہی ہوا ہوگا۔ اس وقت حضرت آمنہ حمل سے تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد حضرت عبدالمطلب کی سرپرستی میں آ گئیں۔ چند ماہ بعد سرورِ کائنات ﷺ عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف لائے۔ چھ برس تک حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں پرورش پائی۔ اس کے بعد حضرت آمنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔ گویا سرزمینِ مدینہ آقائے دو جہاں ﷺ کے قدومِ مینتِ لڑوم سے پہلی مرتبہ اس وقت مشرف ہوئی جب

۱۔ حلیمہ بنت ابوزویب عبد اللہ بن حارث جنہیں رسولِ اکرم ﷺ کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور ﷺ کی عمر صرف چھ برس کی تھی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت آمنہ بنت جحار کے ہاں مقیم ہوئیں۔ اس سفر میں اُمّ ایمنؓ بھی حضرت آمنہؓ کے ہمراہ تھیں۔ اُمّ ایمنؓ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی کنیز تھیں اور ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو والد ماجد کے ترکہ میں ملی تھیں۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت آمنہ اپنے خسر حضرت عبدالمطلب کے نانہالی رشتہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا قبیلہ ہوازن کے خاندان بنو سعد سے تھیں۔ خاندان کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا۔ بنو سعد جن کی فصاحت و بلاغت کا سارے عرب میں شہرہ تھا تہامہ کے مشرق طائف کے قرب وجوار میں بودباش رکھتے تھے اس جگہ کی آب و ہوا نہایت عمدہ تھی۔ شرفائے مکہ اپنے شیر خوار بچوں کو بالعموم قرب وجوار کے بدوی دیہات کی عورتوں کے سپرد کر دیتے جو ایک خاص مدت تک دیہات کی کھلی آب و ہوا میں ان کی پرورش کرتیں اور پھر انہیں اپنے والدین کے سپرد کر آتیں۔ رسول اکرم ﷺ کی ولادت کے چند روز بعد بنو سعد کی کچھ عورتیں مکہ آئیں ان میں حلیمہ بھی تھیں۔ دوسری عورتوں نے مالدار لوگوں کے بچے لے لیے اور مکہ کے دورِ یتیم حضرت حلیمہؓ کے حصے میں آئے۔ حلیمہؓ خود اپنا حال بیان کرتی ہیں کہ جب میں اپنے شوہر کے ہمراہ مکہ آئی تو ملک میں قحط پڑ رہا تھا نہ جنگل میں گھاس تھی نہ جانوروں کے تھنوں میں دودھ۔ سواری کے جانوروں سے چلا نہ جاتا تھا۔ ہمارے ساتھ ایک ہمارا شیر خوار بچہ تھا اور ایک اونٹنی اور ایک گدھا جن کے کھانے کے لئے کچھ بھی نہ تھا اور میرے دودھ نہ اترتا تھا اس لئے بچہ بھوکا ترپتا تھا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس آنا تھا کہ ہماری حالت ہی بدل گئی میری خشک چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں اور دونوں بچوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ اونٹنی جو ایک قطرہ دودھ نہ دیتی تھی اس کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے اور ہم نے اس کا دودھ دودھ کر خوب سیر ہو کر پیا۔ مکہ سے چلنے لگے تو ہمارا مریل گدھا اور اونٹنی ایسی تیز رفتاری سے چلی کہ سارے قافلے کو پیچھے چھوڑ دیا۔ مکان پر پہنچے تو ہماری بکریوں کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے اور ہم آسودہ حال ہو گئے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حلیمہؓ کے پاس یا اختلاف روایت پانچ یا چھ برس تک پرورش پائی۔ پھر وہ آپ ﷺ کو حضرت آمنہؓ اور عبدالمطلب کے سپرد کر آئیں۔ اس کے بعد وہ کافی عرصہ زندہ رہیں اور جمہور علماء کے نزدیک دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی وجہ سے مدینہ گئی تھیں۔ لیکن علامہ شبلی نعمانی ”سیرۃ النبی ﷺ میں لکھتے ہیں:
 ”یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا۔ قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق پر اتنا بڑا
 سفر کیا جائے۔ میرے نزدیک بعض مؤرخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہ
 اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں جو مدینہ میں مدفون تھے۔“

حضرت آمنہ کے سفر کی غرض دعا و غایت کچھ بھی ہوا تا ضرور ثابت ہے کہ ان کی میزبانی
 کا شرف ”بنو نجار“ ہی کو حاصل ہوا۔ حضرت آمنہ نے اپنے لخت جگر ﷺ اور ائمہ ایمن کے
 ساتھ کم و بیش ایک ماہ تک مدینہ میں قیام کیا۔ واپسی کے سفر میں جب ابواء کے مقام پر
 پہنچیں تو بیمار ہو گئیں اور داعی اجل کو لبیک کہا۔ یتیم مکہ رحمۃ عالم ﷺ ائمہ ایمن کے
 ساتھ مکہ پہنچے۔^۱

بچپن میں اپنے قیام مدینہ کی بہت سی باتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدت العمر
 (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان کے شوہر حارث بن عبد العزیٰ نے بھی حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ جا کر اسلام قبول
 کر لیا۔ حضرت حلیمہؓ کی اولاد سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بہن بھائی
 تھے۔ عبد اللہ، حذیفہ، امیہ اور حذافہ (شیما) ان میں سے عبد اللہ اور حذافہ (شیما) کا اسلام
 لانا ثابت ہے دوسروں کا حال معلوم نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ عہد نبوت میں حضرت
 حلیمہؓ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ ”میری ماں میری ماں“ کہہ کر ان
 سے لپٹ گئے اور نہایت محبت اور احترام سے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا
 دی۔ حضور ﷺ اپنے رضاعی والد اور بہن بھائیوں کی بھی بڑی توقیر کرتے تھے۔ تاریخ ابوالفدا
 میں ہے کہ حضور گاہے گاہے مال اور اسباب کی صورت میں حضرت حلیمہؓ کی امداد کیا کرتے
 تھے۔ ایک مرتبہ حلیمہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے انھیں
 چالیس کبر یوں کا ریوڑ دے کر رخصت فرمایا۔
 حضرت حلیمہؓ کے سال وفات کے بارے میں کتب بزرگ خاموش ہیں۔

حضرت اُمّ ایمنؓ بڑی جلیل القدر صحابیہ ہیں۔ نام برکتہ بنت ثعلبہ تھا اور آبائی وطن حبش تھا۔ وہ
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ کی کنیز تھیں ان کی وفات کے بعد حضرت آمنہ
 کے پاس رہنے لگیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے تو آپ ﷺ کی حضانت اور
 تربیت کا شرف حضرت اُمّ ایمنؓ ہی کو حاصل ہوا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یاد رہیں۔ ہجرت کے بعد ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کے محلے سے گزرے تو فرمایا۔ ”یہی وہ مکان ہے جہاں میری والدہ مرحومہ نے قیام کیا تھا۔ یہی وہ باؤلی ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ یہی وہ میدان ہے جہاں میں ایک لڑکی ابھیہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور یہی وہ قلعہ ہے جس کے اوپر پرندے آ کر بیٹھتے تھے اور بچے انہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جوان ہوئے تو وہ وراثتہ حضور ﷺ کے حصے میں آئیں۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

اُمّ ایمنؓ کا پہلا نکاح عبید بن زید سے ہوا۔ انہوں نے وفات پائی تو حضور ﷺ نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے کر دیا۔ اُمّ ایمنؓ نے دو ہجرتیں کیں پہلے حبش کو ہجرت کی پھر وہاں سے مدینہ کو ہجرت کی۔ جنگِ احد اور خیبر میں انہیں زخمیوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی تیمارداری کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ ایمنؓ کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے اور فرماتے تھے ”اُمّ ایمن میری ماں ہیں۔“ حضور ﷺ انہیں ”امّی“ کہہ کر خطاب فرماتے اور اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک گرانقدر جاگیر بھی عطا فرمائی تھی۔ بعض اوقات حضور ﷺ ان سے مزاج بھی فرماتے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضور ﷺ سے سواری کا جانور مانگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں تمہیں اونٹ کا بچہ دوں گا۔“ عرض کی ”یا رسول اللہ اونٹ کے بچے کو میں کیا کروں گا۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں تو تمہیں اونٹ کے بچے پر ہی بٹھاؤں گا۔“

اُمّ ایمنؓ ”سادہ مزاج تھیں حضور ﷺ کا لطیف مزاج نہ سمجھ سکیں۔ پھر جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہراونٹ اونٹ ہی کا تو بچہ ہوتا ہے تو خوش ہو گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو بہت روتی تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے تسلی دی تو کہا میں اس لئے روتی ہوں کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ شہید ہوئے تو کہا ”آج اسلام کمزور پڑ گیا۔“

حضرت اُمّ ایمنؓ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ ان کے پہلے شوہر سے ایک بیٹے ایمن بن عبید تھے۔ انہوں نے جنگِ خنین میں مروانہ دارلذکر شہادت پائی۔

دوسرے شوہر شہید موتہ حضرت زید بن حارثہ سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ ان سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ دوسرے صحابہ ان پر رشک کرتے تھے۔

اڑایا کرتے تھے۔“

”بنو نجار“ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت عزیز جانتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”انصار کے گھرانوں میں سب سے بہتر گھرانے بنو نجار کے ہیں، پھر بنو عبد الاشہل کے پھر بنو حارث کے پھر بنو ساعد کے اور بہتری تو انصار کے بھی گھرانوں کے لیے ہے۔“ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”اگر میں انصار کے کسی گھرانے میں شامل ہوتا تو ”بنو نجار“ میں شامل ہوتا۔“
حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو اسی عظیم خاندان کے رئیس ہونے کا شرف حاصل تھا۔



مدینہ طیبہ اور انصار

شہر جمال مدینہ منورہ

حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ اس شہر مقدس کے رہنے والے تھے جس کا غبار ”سرمہ چشم کائنات“ ہے یعنی شہر جمال مدینہ منورہ۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل اس کا نام یثرب تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا اور پھر آپ ﷺ کی ہجرت کی بعد اس کا نام ”مدینہ النبی ﷺ“ (یعنی رسول اللہ کا شہر) مشہور ہو گیا۔ آخر میں یہی نام مختصر ہو کر المدینہ رہ گیا۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں مدینہ کے انیس نام لکھے ہیں یعنی یثرب، مدینہ، طیبہ، قدسیہ، عاصمہ، محرّمہ، محبوبہ، جابرہ، ناجیہ، موفیہ، محفوظہ، مرزوقہ، مرحومہ، مختارہ، قاصمہ، طبایا، اکالۃ البلدان مبارکہ حبیبہ طابہ۔

علامہ سہودیؒ نے وفاء الوفاء میں مدینہ منورہ کے نوے سے زیادہ نام گنائے ہیں اور لکھا ہے:۔ ان کثرۃ الاسماء تدلّ علی شرف المسمی ولم اجده اکثرہ من اسماء هذه البلدة الشریفة (ناموں کی کثرت مسمی کے شرف پر دلالت کرتی ہے اور میں نے اس شہر سے زیادہ کسی شہر کے نام نہیں پائے) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے مصنف ”رحمۃ اللعالمین“ کی تحقیق کے مطابق مدینہ کا نام انبیاء سابق کی کتابوں میں ”صلح“ تھا۔ لیکن اکثر مؤرخین اور ارباب سیر کے نزدیک مدینہ منورہ کا سب سے قدیم مشہور نام یثرب ہی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے کیونکہ ”یثرب“ اہل مدینہ کے ایک بت یا وہاں کے ایک کافر کا نام تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ

یثرب سے ماخوذ ہے جس کے معنی فساد کے ہیں۔ بعض اسے تعریب کا مشتق بتاتے ہیں جس کے معنی ملامت کرنے کے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ہجرت نبوی ﷺ سے قبل اس شہر میں بخار کی ایک وبا پھیلا کرتی تھی جو ہر سال سینکڑوں باشندوں کو موت کی نیند سلا دیتی تھی۔ اسی وبا کی وجہ سے اس شہر کو یثرب کہتے تھے کیونکہ یثرب کے معنی ماتم اور رونے پینے کے ہیں۔ ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر کے لیے دعا فرمائی جس کے نتیجہ میں یہ وبا ہمیشہ کے لیے دور ہو گئی اور اہل مدینہ پر بے شمار برکتیں اور رحمتیں نازل ہوئیں۔

تازہ ترین تحقیق یہ ہے کہ لفظ یثرب ایک مصری لفظ تریس (یا اتریس) کی تعریب ہے نیز یہ کہ زمانہ قدیم میں اہل یونان یثرب کو اترپا (IATHREPPA) کہتے تھے۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق اس کی تعمیر کا زمانہ ۲۲۰۰ قبل مسیح اور ۲۶۰۰ قبل مسیح کے درمیان ہے۔

مدینہ منورہ شہر جلال مکہ معظمہ سے دو سو اسی ۲۸۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۶۱۹ میٹر ہے۔ گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ صرف ۲۸ درجہ تک بڑھتا ہے اور جاڑوں میں کافی سردی ہوتی ہے۔ اس ”شہر خنک“ کا نام سن کر دنیا کے ہر مسلمان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں کیونکہ اس میں ایک ایسی مقدس ارفع و اعلیٰ جگہ ہے جس کی عظمت اور محبت ہر فرزند توحید کے دل میں جاگزیں ہے یعنی روضہ نبی اکرم ﷺ

سہ خاکِ یثرب ازدو عالم خوشتر است

آں خنک شہرے کہ آنجا ولبر است

(اقبال)

فضائلِ مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کی فضیلت میں نہایت کثرت سے حدیثیں آئی ہیں اور ان میں سے اکثر صحاح میں موجود ہیں۔ یہ رُحْمَةُ لِّلْعَالَمِین کا محبوب شہر تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو فضائل و برکات سے مالا مال کر دیا۔ مدینہ کے فضائل کے بارے میں ہم چند احادیث یہاں درج

کرتے ہیں:

- ۱- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ جو برکت تو نے مکہ کو مرحمت فرمائی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ کو عطا فرما۔ (صحیحین)
- ۲- حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ فریب کرے گا اور انہیں دکھ دے گا وہ اس طرح گھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں۔ (صحیحین)
- ۳- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کے دروازوں پر فرشتے پہرہ دیتے ہیں وہاں نہ طاعون آ سکتا ہے نہ دجال۔ (صحیحین)
- حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ (خود) اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو طابہ کا نام دیا۔ (مسلم)
- ۵- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد دعا مانگی۔ ”اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے محبوب بنا جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ! اللہ! اس کی آب و ہوا کو صحت بخش بنا دے اس کی اشیائے خورد و نوش اور فصلوں میں برکت دے اور بخار کو یہاں سے نکال کر جحفہ کو منتقل کر دے۔“ (صحیحین)
- ۶- حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص (اہل ایمان) کے لیے ممکن ہو کہ وہ مدینہ میں فوت ہو تو وہ یہاں ہی فوت ہو کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والے ہر (اہل ایمان) شخص کی شفاعت کروں گا۔ (مسند احمد و ترمذی)
- ۷- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ پاک ہے، گناہوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو نکال پھینکتی ہے۔ (مسلم)
- ۸- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس شخص نے مدینہ کی خیتوں پر صبر کیا، میں

(مسلم)

قیامت کے دن اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا۔

خصائصِ مدینہ منورہ

قرآن و حدیث اور تاریخ و سیر سے مدینہ منورہ کے بے شمار فضائل اور خصائص اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- ۱- اس میں ایک ایسی مبارک جگہ ہے جس کی بے مثال عظمت اور فضیلت پر تمام عالم اسلام کا اجماع ہے۔ یعنی روضہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔
- ۲- یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس اور منبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے۔
- ۳- حق تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ اللہ تعالیٰ نے سرزمینِ مدینہ کو خود اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضَ اللہِ وَاَسْعَاةً کَمَا خَدَاکِی زَمِیْنُ کَشَادَہٗ نَہِی۔
- ۴- اکثر صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔
- ۵- حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ کی یہ فضیلت بیان کرتے تھے کہ وہ دارالہجرت ہے۔ دارالنتہ ہے شہداء سے معمور ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے بہترین لوگ وہاں موجود ہیں۔
- ۶- اللہ تعالیٰ نے ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و اعانت کے لیے اہل مدینہ کا انتخاب کیا۔ وَذَٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔
- ۷- مدینہ منورہ کو ہمیشہ کے لیے دارالسلام قرار دیا گیا۔
- ۸- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا۔
- ۹- حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے اس میں مسجد تعمیر فرمائی۔
- ۱۰- مسجد نبوی ﷺ میں نماز کا اس قدر ثواب ملتا ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔
- ۱۱- نماز کے علاوہ مدینہ میں ہر عبادت کا ثواب مکہ سے زیادہ ملتا ہے۔
- ۱۲- مدینہ منورہ میں جبلِ احد ہے جس کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ ہم کو اور ہم

اس کو چاہتے ہیں۔

۱۴- مدینہ منورہ میں کوئی راستہ ایسا نہیں جس پر سرورِ دو عالم ﷺ نہ چلے ہوں۔

۱۵- سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے لیے بہ کثرت دعائیں کی ہیں اور اس کو حبیبہ، طابا اور طیئہ کہہ کر پکارا ہے۔

انصارؓ

لفظ ”انصار“ ناصر یا نصیر کی جمع ہے۔ انصار مدینہ منورہ کے ان مقدس باشندوں کا لقب ہے جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کرنے کی سعادت حاصل کی اور ہجرت کے بعد فخر کون و مکان جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مہاجرین اسلام کو نہ صرف اپنے گھروں میں اتارا بلکہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ ہر طرح عون و نصرت کا حق ادا کیا۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے انہیں انصار کے نام سے حیات جاوید عطا کی۔ ان کے شہر کو اپنے محبوب افضل البشر سید الانبیاء ہادی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ اور مستقل اقامت گاہ بنا دیا۔ اور اسے دنیا بھر کے فرزندانِ توحید کے لیے رگِ جاں سے عزیز تر بنا دیا۔ قرآن کریم میں انصار کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

وَالَّذِينَ آوَا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَرِزْقٌ كَرِيمٌ
(انفال، رکوع ۱۰)

ترجمہ: ”اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں

ان کے لیے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔“

انصار دو قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک کا نام ”خزرج“ اور دوسرے کا نام ”اوس“ تھا۔ اوس و خزرج مدینہ میں کب آباد ہوئے۔ طلوع اسلام سے قبل ان کا مذہب اور تمدن کیسا تھا۔ یہ ایک طویل داستان ہے جو ہماری کتاب کا موضوع نہیں تاہم اس کے اجمالی تذکرہ کے بغیر چارہ بھی نہیں کیونکہ قبیلہ ”بنو نجار“ جس کے سرداروں میں حضرت ابویوبؓ تھے ”انصار“ ہی کی ایک شاخ تھا۔ طلوع اسلام سے قبل اوس و خزرج کی تاریخ و تمدن کے

مختلف پہلوؤں پر ہم یہاں نہایت مختصر الفاظ میں روشنی ڈالیں گے۔

مدینہ کے قدیم باشندے

مدینہ کو عمالیق (یا عمالقہ) نے ۱۶۰۰ ق م اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان آباد کیا تھا۔ عمالیق کا سلسلہ نسب عملاق بن ارفخند بن سام بن نوح علیہ السلام سے ملتا ہے۔ یہ لوگ تمام ملک عرب میں پھیل گئے تھے۔ بحرین عمان اور حجاز سے لے کر شام اور مصر تک ان کے قبضے میں آ گئے تھے۔ مدینہ میں ان کے جو قبائل آباد ہوئے ان کا نام بنو ہفان، سعد بن ہفان اور بنو مطرویل تھا۔ ایک اور قول کے مطابق یثرب کو یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عیمل بن عوص بن ارم بن سام بن نوح نے آباد کیا۔

عمالیق ؑ کے بعد یہود مدینہ میں آ کر آباد ہوئے۔ وہ کن حالات میں مدینہ پہنچے اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک فوج حجاز کی طرف روانہ کی اور اسے ہدایت کی کہ جو لوگ یہودی مذہب قبول کر لیں سوائے ان کے اور کسی کو زندہ نہ چھوڑنا۔ چنانچہ اس فوج نے عمالیق کو شکست دے کر ارض حجاز پر قبضہ کر لیا اور ان کی ایک کثیر تعداد مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد ہو گئی۔ ایک مدت کے بعد رومیوں نے شام پر فاتحانہ یلغار کی اور یہودیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مشہور یہودی قبائل بنو قریظہ اور بنو نضیر اس وقت شام میں آباد تھے۔ وہ اس قتل عام سے بچنے کے لیے شام سے بھاگ کر حجاز چلے آئے اور اپنے یہودی بھائیوں کے ساتھ آباد ہو گئے۔

ایک اور مشہور روایت یہ ہے کہ علمائے یہود نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد پر یقین رکھتے تھے اور توراۃ کے ذریعہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا دارالہجرت

۱۔ قبائل ہاندہ کے سلسلہ نسب کے متعلق علمائے انساب کی رائیں اس قدر متعارض ہیں کہ کسی ایک رائے کو دوسری پر ترجیح دینا بے حد مشکل ہے۔ ہم نے جو سلسلہ نسب نقل کیا ہے یہ بمعجم البلدان (یا قوت حموی) سے لیا گیا ہے۔ دو دوسرے مؤرخین نے یہ سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

۲۔ عمالیق بن لاؤذ بن سام بن نوح (معارف ابن قتیہ) عملیق لاؤذ بن سام بن نوح (فلکندی)

ایک ایسا شہر ہوگا جو دو پتھر ملی زمینوں کے درمیان نخلستان سے گھرا ہوا ہوگا۔ چنانچہ ایسے شہر کی تلاش میں وہ اپنے آبائی وطن شام سے نکلے۔ اپنی سمجھ کے مطابق جس قبیلہ نے کسی شہر یا آبادی کو ان خصوصیات کا حامل پایا وہیں آباد ہو گیا۔ بعض تہاء کے نخلستانوں میں آباد ہو گئے۔ بعض نے خیبر کو اپنا مسکن بنایا اور ایک کثیر تعداد یثرب میں اقامت گزین ہو گئی۔ طبری کے بیان کے مطابق یہودی بخت نصر کے حملہ کے وقت شام سے حجاز آئے۔ بہر صورت عمالیق کے بعد یہود نے مدینہ اور اس کے نواحی علاقوں پر دُور دُور تک شاہانہ اقتدار قائم کر لیا تھا۔ انہوں نے جگہ جگہ قلعے بنا لیے تھے اور ان میں سکونت رکھتے تھے۔ آل واولاد اور دولت کی کثرت میں کسی دوسرے قبیلہ کو ان کی ہمسری کا یا رانہ تھا۔ قطع نظر اس کے کہ یہ لوگ اصلاً بنی اسرائیل تھے یا یہودی الحمد ہب عرب تھے ان کے اقتدار اور حصول میں کسی کو کلام نہیں۔

اوس اور خزرج کی مدینہ میں آمد

عین اس وقت جب مدینہ سے لے کر حدود شام تک یہود کے اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ اوس و خزرج نام کے دو قبائل کا وُرد مدینہ میں ہوا۔ عرب مؤرخین نے عام طور پر اوس و خزرج کو قحطانی النسل یعنی عرب عاربہ لکھا ہے۔ لیکن تازہ ترین تحقیق کے مطابق اوس و خزرج قحطانی نہیں بلکہ اسمعیلی یعنی عرب مستعربہ تھے اور ثابت بن اسمعیل کی

۱۔ اہل عرب تین بڑے قبیلوں کی اولاد ہیں۔

(۱) باندہ (۲) عاربہ (۳) مستعربہ

باندہ ان قبیلوں کا نام تھا جنہوں نے طوفان نوح کے بعد عرب پر حکومت کی۔ یہ سب عذاب الہی یا گردشِ زمانہ کی لپیٹ میں آ کر ناپید ہو گئے۔ عاد۔ ثمود۔ عمالیق۔ جدیس۔ طسم وغیرہ عرب باندہ ہی تھے۔

عاربہ وہ قبائل ہیں جو باندہ کے ہمعصر تھے اور ان کے بعد عرب میں حکومت کی۔ قحطان، سبا، حمیر وغیرہ انہی میں داخل ہیں۔

مستعربہ سے وہ قبائل مراد ہیں جو حضرت اسمعیل بن ابراہیم کی اولاد سے تھے اور شمالی عرب میں بود و باش رکھتے تھے۔

اولاد سے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ”ارض القرآن جلد دوم“ میں اور مولانا سعید انصاری نے ”بیر انصار جلد اول“ میں نہایت ٹھوس دلائل سے اوس و خزرج کو اسماعیلی (آل اسماعیل) ثابت کیا ہے۔ ثابت (نابط) بن اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔ آل اسماعیل کی متعدد شاخوں میں ایک شاخ ”ازد“ کے نام سے موسوم ہوئی۔ قبیلہ ازد کسی نامعلوم زمانہ میں یمن جا کر آباد ہو گیا تھا۔ یمن میں جب وہ مشہور سیلاب آیا جسے قرآن میں ”سِلْ عَرَمَہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے یا کچھ عرصہ بعد قبیلہ ازد نے یمن سے کوچ کیا۔ اس وقت اس قبیلہ کا رئیس عمرو بن عامر تھا (جو مزیقیا کے لقب سے مشہور ہے) اسی مزیقیا کے پڑپوتے دو بھائی اوس و خزرج

ل۔ سورہ سبا میں سِلْ عَرَمَہ کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِهُمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتِينَ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ بَلَدَهُ طَيِّبَةً ۚ وَرَبُّ غَفُورٌ ۖ فَاعْرَضُوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَاَثَلٍ وَشِئْنٍ مِّنْ سَدِیْرٍ ۚ قَلِيلٌ ۚ ذٰلِكَ جَزَآئُهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۗ وَهَلْ نُّجْزِیْ اِلَّا الْكَافِرُوْا ۝ (آیات: ۱۷-۱۵)

ترجمہ:- بلاشبہ سبا کے لئے خود اپنے گھر میں ایک نشانی موجود تھی دو باغ دائیں اور بائیں اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ عمدہ پاکیزہ شہر (ملک) ہے اور بخشش کرے والا پروردگار۔ مگر انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیجا اور ان کے پہلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انہیں دیے جن میں بد مزہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور پیری کے کچھ جھاڑ۔ یہ تھی ان کی ناشکر گزاری کی جزا جو ہم نے ان کو دی اور ہم تو صرف ناشکرے انسانوں کو ہی ایسا بدلہ دیتے ہیں۔

سبا جنوبی عرب (یمن) کی ایک بڑی قوم کا نام تھا۔ اس کا دور عروج گیارہ سو برس قبل مسیح میں شروع ہوا اور وہ ایک تجارت پیشہ، متمدن اور خوشحال قوم کی حیثیت سے چار دائیگ عالم میں مشہور ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۵۰ ق م) کو اسی قوم کی ملکہ سے سابقہ پڑا تھا۔ اس کا قصہ سورہ نمل میں مذکور ہے۔ قوم سبا کی تاریخ کے اہم ادوار یہ ہیں۔

۵۵۰ ق م سے پہلے کا دور۔ اس دور میں سبا کے حکمرانوں کا لقب کرب تھا۔ وہ اپنی قوم کے مذہبی پیشوا بھی تھے۔ اس لئے انہیں کاہن بادشاہ (مکارب سبا) کہا جاتا تھا۔ ان کا دارالحکومت مرداح تھا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھے۔ انصار کے تمام خاندان انہی اوس و خزرج پر جا کر مل جاتے ہیں۔ (بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اوس و خزرج کا ایک تیسرا بھائی عدی بھی تھا، لیکن اس کی اولاد اوس و خزرج

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۵۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م تک کا دور۔ اس دور میں سبا کے حکمرانوں نے اپنا لقب ملک (بادشاہ) اختیار کر لیا اور اپنا پایہ تخت صروح کی جگہ مارب کو بنایا جو یمن کے موجودہ دارالحکومت صنعاء سے ۶۰ میل مشرق کی جانب واقع ہے۔

۱۱۵ ق م سے ۵۲۵ عیسوی کا دور۔ اس زمانے میں سبا کی مملکت پر حمیر کا قبیلہ غالب ہو گیا جو قوم سبا ہی کا ایک قبیلہ تھا۔ انہوں نے ریدان (ظفار) کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ حمیریوں نے اپنی سلطنت کو بڑی وسعت دی اور اس میں یمن کے علاوہ حضرموت، نجد اور تہامہ وغیرہ کو شامل کر لیا۔ بڑی ملک جیش سے اکثر ان کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ۳۲۰ء سے ۳۷۸ء تک یمن پر اہل جیش کا استیلا ہو گیا۔ اس کے بعد حمیریوں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کر لیا۔ ۵۲۵ء میں حمیری بادشاہ ذونواس کو جیش کے عیسائی حکمران نے شکست دے کر سبائے حمیر کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

قوم سبا نے شہر مارب کے پاس دو پہاڑوں کے درمیان ۱۵۰ فٹ لمبا اور ۵۰ فٹ چوڑا ایک عظیم الشان بند تعمیر کیا تھا۔ اس سے ایک عمدہ نظام آب رسانی قائم ہو گیا تھا اور دائیں بائیں دونوں جانب کا تین سو مربع میل کا علاقہ کل وگزار بن گیا تھا جس میں انواع و اقسام کے خوشبودار پودے اور پھلدار درخت تھے۔ یہ بند سد مارب کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بنیاد شیخ امر نامی بادشاہ نے آٹھویں صدی قبل مسیح میں رکھی اور اس کے بعد مختلف بادشاہوں کے عہد میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ قرآن حکیم کے مطابق سد مارب کو سیل غرم نے توڑ دیا اس کے نتیجے میں قوم سبا کی زراعت تباہ ہو گئی اور ان کے باغ اجڑ کر بد مزہ پھلوں اور پیری کے درختوں کے سوا کچھ پیدا کرنے کے قابل نہ رہے اس کی ساتھ ہی ان کی تجارت کے راستے بھی اجڑ گئے اور ان کے قبائل مختلف ممالک (یمن، نجد، حجاز، تہامہ، عمان، شام، عراق) میں منتشر ہو گئے۔

سیل غرم جس کا ذکر قرآن میں ہے کس زمانے میں آیا؟ اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں بعض نے لکھا ہے کہ یہ سیلاب ۱۱۵ ق م میں آیا اور بعض نے اس کا زمانہ ۳۷۸ء یا ۵۱۰-۳۵۰ء لکھا ہے۔ سد مارب ٹوٹنے کے بعد کئی بار اس کی مرمت بھی ہوئی۔ آخری بار یہ بند ۵۳۳ء میں ٹوٹا اور اس سال یمن کے حبشی حاکم ابرہہ نے اس کی مرمت کرا دی۔ اب بھی یہ بند شکستہ حالت میں موجود ہے اور اس کا ایک تہائی حصہ بدستور قائم ہے۔

میں ضم ہو گئی) از دی قبائل یمن سے نکل کر شام، عراق، نجد، عمان، یمامہ، بحرین اور عرب کے دوسرے مختلف مقامات پر آباد ہو گئے۔ ان قبائل کی ایک شاخ تعلیمیہ میں مقیم ہوئی۔ جب اس کی تعداد میں اضافہ ہوا تو وہ تعلیمیہ کی سکونت ترک کر کے یثرب میں آ کر آباد ہو گئی۔ یہی قبائل اوس و خزرج تھے جو بعد میں انصار کہلائے۔ شروع شروع میں ان لوگوں نے نہایت عسرت کے ساتھ محکومانہ زندگی بسر کی۔ یہود سے حلیفانہ تعلقات قائم کر کے انہوں نے بھی اپنے قلعے اور مکانات بنا لیے۔ ایک عرصہ تک وہ یہود بنو قریظہ و بنو نضیر کو خراج دیتے رہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

نووی الخرج بعد خراج کسری
وخرج بنی قریظہ والبقیر

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ”ارض القرآن“ میں اس دور کے اوس و خزرج اور یہود کا موازنہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

”اوس و خزرج گو بدویانہ زور و قوت میں ان (یہود) سے زیادہ تھے لیکن سامان دولت، ہنر اور دیگر قوائے معنوی میں ان سے فروتر تھے۔ اس بنا پر وہ یہودیوں سے نہایت متاثر ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اس سے مذہبی اثر بھی پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اوس و خزرج نذر مانتے تھے کہ بچہ جیتا رہا تو یہودی بنادوں گا۔“

غرض ایک مدت تک یہی حالت رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ اوس و خزرج کی اولاد اور مال و دولت میں ترقی ہونے لگی اور اوران میں آزادی اور خود سری کے جذبات ابھرنے لگے۔ دوسری طرف یہود بھی چوکنے ہو گئے اور دونوں قوموں میں ایک دوسرے کے متعلق بد اعتمادی پیدا ہو گئی۔ یہ اس کشمکش کا نقطہ آغاز تھا جو آگے چل کر یہود کے شاہانہ زور و قوت کی تباہی پر منبج ہوئی۔ اس کا موقع خود یہود نے فراہم کر دیا۔ مورخین نے اس کے متعلق ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ جس کا خلاصہ نیچے درج کیا جاتا ہے۔

یثرب کے یہودیوں کی تباہی

جس زمانے کے حالات ہم بیان کر رہے ہیں اس زمانہ میں اوس و خزرج کا سردار

مالک بن عجلان تھا اور یہود کا سردار فیطوان یا فیطون تھا۔ فی الحقیقت وہ اوس و خزرج اور یہود دونوں کا حاکم تھا کیونکہ معاہدہ کے مطابق اوس و خزرج اس کی بالادستی تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ یہ شخص نہایت جابر اور بدکار تھا۔ اس نے حکم دیا کہ یثرب کی جو دو شیزہ لڑکی بیاہی جائے وہ اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے ایک رات اس کے عشرت کدہ میں بسر کرے۔ یہود نے تو اس حکم کو گوارا کر لیا لیکن اوس و خزرج کی ایک غیور لڑکی نے اپنے خاندان کی غیرت اور حمیت کے خوابیدہ جذبے کو بری طرح جھنجھوڑا۔ یہ لڑکی مالک بن عجلان رئیس اوس و خزرج کی حقیقی بہن تھی۔ اتفاق سے انہی ایام میں اس لڑکی کی شادی ہوئی۔ رخصتی کا وقت آیا تو وہ اپنی پنڈلیوں کو عریاں کر کے بھری مجلس میں آ گئی۔ مالک بن عجلان اسے اس حالت میں دیکھ کر سخت غضبناک ہوا اور بہن کو ملامت کی۔ اس غیور لڑکی نے بھائی کو جواب دیا:

”آج رات جو کچھ پیش آنے والا ہے کیا تمہیں اس پر غیرت نہیں آتی، تم میری عریاں پنڈلیاں تو نہیں دیکھ سکتے لیکن تمہیں یہ گوارا ہے کہ تمہاری بہن اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے ایک غیر شخص کے پاس رات گزارے۔“

بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر مالک بن عجلان سکتے میں آ گیا۔ اس کا قومی جذبہ غیرت بیدار ہو گیا اور اس نے اپنی ناموس کے لیے جان پر کھیلنے کا تہیہ کر لیا اور باہم یہ رائے قرار پائی کہ بنت عجلان رات کو جب سہیلیوں کے ہمراہ فیطون کی خلوت گاہ میں جائے تو مالک بھی زنانہ لباس میں اس کی سہیلیوں میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ رات کو مالک بھی زنانہ لباس میں بہن کے ہمراہ فیطون کے محل میں داخل ہو گیا اور موقع پا کر فیطون کو تلواریں کے ایک ہی وار سے جہنم واصل کر دیا۔ اس کے بعد لوگوں کی نظر بچا کر محل سے باہر نکلا اور مخفی طور پر شام کے غسانی بادشاہ ابو حیلہ کے پاس بھاگ گیا۔ بنو غسان اور اوس و خزرج ہم نسب تھے۔ مالک نے جب یثربی یہودیوں کے ظلم و ستم کی داستان ابو حیلہ کو سنائی تو اس کی نفی اور قبائلی غیرت حرکت میں آ گئی اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک یثرب کے یہودیوں کو

بعض روایتوں میں اس کا نام فیطون اور قیطون بھی بیان کیا گیا ہے۔

کیفرِ کردار تک نہ پہنچالے گا ہر قسم کے عیش و آرام سے مجتنب رہے گا۔ چنانچہ غسانوں کا ایک جزار لشکر ابو حیلہ کی سرکردگی میں یثرب کے قریب ذی حر کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ یہودی ابو حیلہ کے عزائم سے آگاہ نہیں تھے اور عام حملہ کی صورت میں ان کے قلعہ بند ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ابو حیلہ نے حیلہ سے کام لیا۔ پہلے دن اوس و خزرج کے رؤسا کی دعوت کی اور انہیں گرانقدر انعامات سے نوازا۔ دوسرے دن اس نے صلہ و انعام کی توقع دلا کر رؤسائے یہودی کی دعوت کی۔ جب وہ سب آگئے تو ان کو ایک خیمہ کے اندر لے جا کر قتل کر دیا۔ یہ پہلا دن تھا کہ یہود کا زور ٹوٹا اور اوس و خزرج نے مدینہ میں اقتدار حاصل کیا۔

ایام الانصار

اوس اور خزرج (یعنی انصار) کے زمانہ جاہلیت اور خانہ جنگیوں کو ”ایام الانصار“ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مدینہ میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد اوس و خزرج کثیر مال و جائداد کے مالک ہوئے اور انہوں نے نہایت کثرت سے قلعے بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں بڑی برکت دی۔ یہود کے اقتدار کے زمانہ میں وہ ایک ہی جگہ آباد تھے۔ اُن کا زور ٹوٹ جانے پر یثرب کے مختلف حصوں میں دور دور تک پھیل گئے اور ان کی مختلف شاخوں نے اپنے محلّے آباد کر لیے۔ ہر قبیلہ نے متعدد قلعے تعمیر کیے۔ ان کی مجموعی تعداد انسی اور ستر کے درمیان تھی۔ اوس و خزرج کی مختلف شاخوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے.....

اوس

اوس کا صرف ایک بیٹا تھا ”مالک“ اس کی اولاد ان شاخوں میں تقسیم ہو گئی۔

۱- عمرو بن مالک..... بنیہ..... عبدالاشہل..... بنو ظفر

۲- عوف بن مالک..... بنو عمرو بن عوف (اہلِ قبا) نجی

۳- حشم (یا عبداللہ) بن مالک..... بنو حطمہ

۴- امراء القیس بن مالک..... بنو واقف

۵- مرہ بن مالک..... بنو سعد..... بنو عامر..... امیہ..... وائل اور عطیہ

خزرج

خزرج کے پانچ بیٹے چشم..... عوف..... حارث..... عمرو اور کعب تھے۔ ان کی اولاد حسب ذیل تھی۔

(۱) چشم بن خزرج:- بنو زید..... بنو سلمہ..... بنو یاضہ

(۲) عوف بن خزرج:- بنو الحبلی (قبیلہ عبداللہ بن اُبی راس المنافقین) بنو قوافل

بنو سالم

(۳) حارث بن خزرج:- چشم..... زید..... عوف..... عوف سے خدرہ اور

خدرہ

(۴) عمرو بن خزرج:- بنو نجار (حضرت عبدالملک کے نانہالی لوگ اور حضرت

ابوایوب انصاریؓ کا قبیلہ

(۵) کعب بن خزرج:- بنو ساعدہ (ان کا سقیفہ مشہور ہے۔ رئیس الانصار حضرت

سعد بن عبادہؓ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔)

مدینہ میں عروج و اقتدار حاصل کرنے کے بعد اوس و خزرج کی تمام شاخیں عرصہ تک باہم متحد رہیں اور اپنی متحدہ طاقت کے بل بوتے پر نہایت دم خم سے زندگی بسر کی۔ اس کے بعد قبل اسلام کے عرب کی بدویانہ فطرت کے مطابق ان کے درمیان خانہ جنگیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا جو ایک سو بیس برس تک جاری رہا۔ اس کی ابتداء جنگِ بصر سے ہوئی اور اختتام جنگِ بعاث پر ہوا۔ دوسری مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں:

جنگِ کعب بن عمرو- جنگِ سرارہ- جنگِ حصین بن اسلت- جنگِ ربیع- جنگِ بقیع-

حربِ فارع- حربِ حاطب- جنگِ فجار اول- جنگِ فجار ثانی- جنگِ معیس- جنگِ مضر-

ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا تو شمار ہی نہیں۔ اوس و خزرج کی اس طویل

باہمی آویزش میں ان کی متحدہ طاقت بالکل پاش پاش ہو گئی اور دونوں خاندانوں کے اکثر

نامور لڑکر مر گئے۔ ”ایام الانصار“ کی آخری لڑائی۔ ”جنگِ بعاث“ ہجرتِ نبویؐ سے

صرف پانچ سال قبل واقع ہوئی۔ ”بعاث“ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک مقام تھا۔ اس مقام پر اوس و خزرج کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں یہود بنو قریظہ اور بنو نضیر نے ”اوس“ کا ساتھ دیا اور قبائل اشجع اور جہینہ نے خزرج کی مدد کی۔ جاہلین نہایت ثابت قدمی سے لڑے لیکن آخر میں اوس اور ان کے حلیفوں پر ہزیمت کے آثار طاری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر سپہ سالار خضیر الکتائب بن سماک (جو مشہور صحابی حضرت اُسید کا باپ تھا) میدان جنگ میں گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور از سر نو اپنے قبیلہ میں ایسی جنگی روح پھونکی کہ بھاگتے ہوئے اوسیوں کے قدم جم گئے اور انہوں نے پلٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ خزرجیوں کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ خزرج کا سردار عمرو بن نعمان بیاضی میدان جنگ میں کام آیا۔ خضیر بھی شدید مجروح ہو گیا اور بعد میں اسی جنگ کے زخموں کی وجہ سے مر گیا۔ اس لڑائی نے اوس و خزرج کو اس قدر ضعیف اور درماندہ کر دیا کہ ان میں کسی اور جنگ کی سکت نہ رہی۔ تھک ہار کر وہ قبیلہ عوف بن خزرج کے سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول کو حقیقاً اپنا بادشاہ اور ”یثرب کا تاجدار“ بنانے پر آمادہ ہو گئے۔ اسی اثناء میں اسلام کے خورشید جہاں تاب کا طلوع ہوا جس نے اوس و خزرج کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور وہ ”انصار“ کے نام سے متحد اور یکجان ہو کر اسلام کے پُر زور دست بازو بنے۔

اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ ”جنگِ بُعاث“ مدینہ منورہ میں شجر اسلام کی بار آوری کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ صحیح بخاری میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ:

(قیاس یہ ہے گویا) ”جنگِ بُعاث کو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے

کرایا تھا۔ چنانچہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انصار

کے عمائد افتراق و انتشار میں مبتلا تھے۔ ان کے رؤسا قتل ہو چکے تھے اور

انصار نہایت ضعیف اور درماندہ ہو چکے تھے۔ اس لیے اس جنگ کو اللہ نے

اپنے رسول ﷺ پر انصار کے ایمان لانے کا باعث بنا دیا۔“

زمانہ جاہلیت میں انصار کا تمدن

بنو اسلمیل میں ہٹپوں کو سب سے زیادہ متمدن سمجھا جاتا ہے۔ اوس و خزرج بھی

چونکہ نعلی الاصل تھے اس لیے تہذیب و تمدن کے معاملہ میں وہ قبل از اسلام عرب کے اکثر دوسرے قبائل سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ وہ عہدِ قدیم سے جمہوری اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی قیادت ایک سردار اور ایک سپہ سالار کے سپرد ہوتی تھی جنہیں وہ باہم مشورے اور اتفاق سے منتخب کرتے تھے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ ان دونوں عہدوں کی ذمہ داریاں ایک ہی شخص کو تفویض کر دی جاتیں۔ جب تک اوس و خزرج میں باہم اتحاد رہا، ان کا سردار بالعموم قبیلہ خزرج سے ہوتا تھا۔ لیکن جب ان میں تشدد و افتراق کا دور دورہ ہوا تو دونوں قبائل اپنا سردار الگ الگ منتخب کرنے لگے۔ خزرج کی قیادت بنو ساعدہ کے حصے میں آئی اور اوس کی سیادت خاندان عبدالاشہل کے حصے میں۔ سپہ سالاری کے عہدے کا بھی یہی حشر ہوا۔ لیکن بات یہیں تک ختم نہ ہوئی۔ ان بڑے قبائل کے اپنے اندر بھی تفریق پیدا ہو گئی اور ان کی تمام شاخوں نے اپنے الگ الگ رئیس چن لیے۔ جب بعاث کے بعد جب دونوں قبائل کا ضعف انتہا کو پہنچ گیا تو انہوں نے اپنے قدیم نظام کی طرف لوٹنا چاہا اور سب نے باہمی رضامندی سے قبیلہ خزرج کے ایک صلح کل اور غیر جانبدار شخص عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن طلوع اسلام نے حالات کا رخ بالکل دوسری طرف پھیر دیا۔

اوس و خزرج نے باہمی تنازعات کے باوجود مدینہ کو ایک چھوٹی سی ریاست کی حیثیت دے رکھی تھی۔ انہوں نے بکثرت قلعے تعمیر کر رکھے تھے اور اپنے اپنے محلوں کے گرد چار دیواریاں بنا رکھی تھیں ان کے علاوہ ایک بڑی چار دیواری سے سارا شہر گھرا ہوا تھا جسے ”سور مدینہ“ کہا جاتا تھا۔ شہر کی آبادی نہایت منجانب تھی اور اپنی منجانب آبادی، قلعوں اور فیصلوں کی وجہ سے وہ ایک مضبوط قلعہ بن گیا تھا۔ اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ”دریہ حصینہ“ یعنی مضبوط زرہ کا خطاب عطا فرمایا۔

اوس و خزرج کے عسکری نظام کی تاریخ میں کسی باقاعدہ فوج کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت دونوں قبائل کا ہر شخص سپاہی بن جاتا تھا۔ لڑائیاں کسی خاص نظام کے ماتحت نہیں لڑی جاتی تھیں بلکہ متحارب فریق میدان جنگ سے

بھاگ کر اپنے محلے میں چلا جاتا تو عام طور پر اس کا تعاقب نہ کیا جاتا۔ لڑائی کا تماشا دیکھنے والے لوگوں سے کوئی فریق تفرض نہ کرتا تھا۔ لڑائیوں میں استعمال ہونے والے ہتھیار انصار خود بناتے تھے یا یہود سے خریدتے تھے جو ہتھیار سازی کے ماہر تھے۔ انصار اپنے مُردوں کو دفناتے تھے اور اس مقصد کے لیے مدینہ کے مختلف حصوں میں انہوں نے کئی قبرستان بنائے تھے۔

انصار کے معاش کا انحصار کلیتہً زراعت پر تھا۔ وہ زمینیں کاشت کرتے تھے اور باغات لگاتے تھے۔ مدینہ کی زمین زرخیز تھی اس لیے معاشی لحاظ سے انصار عام طور پر خوشحال تھے۔ بعض لوگوں نے تجارت کو بھی ذریعہ معاش بنایا تھا۔ لیکن تجارت کا میدان عام طور پر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ میں ان کے متعدد بازار تھے۔ انصار نے بھی ان سے علیحدہ چند بازار قائم کر لیے تھے۔ تجارت عام طور پر اشیاء کے تبادلہ کے ذریعہ ہوتی تھی کیونکہ مدینہ میں سکہ کاروان نہیں تھا۔

انصار میں صنعت و حرفت کا رواج شاذ و نادر ہی تھا۔ البتہ بعض لوگوں نے بافندگی، نجاری، حجام اور قصاب وغیرہ کے پیشوں کو اختیار کر رکھا تھا۔

انصار میں تعلیم کا رواج بہت کم تھا اور وہ عام طور پر جاہل تھے۔ البتہ کچھ لوگ عربی میں لکھ پڑھ لیتے تھے۔ ان میں کچھ آدمی عبرانی بھی جانتے تھے۔ انصار رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ انہوں نے مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں کئی پل بنائے تھے۔ پانی کی سیلیں قائم کرنا ان کے نزدیک نہایت ثواب کا کام تھا۔ عام اہل عرب کی طرح انصار بھی بے حد مہمان نواز تھے۔ ایفائے عہد کو جان سے بڑھ کر عزیز جانتے تھے۔ طہارت کے معاملہ میں وہ دوسرے تمام اہل عرب سے ممتاز تھے اور نجاست دور کرنے کے لیے ڈھیلوں کے ساتھ پانی بھی استعمال کرتے تھے۔ نکاح اور وراثت کے معاملات میں ان کا اخلاق بہت پست تھا۔ سوتیلی ماؤں سے شادی جائز سمجھتے تھے اور آبائی جائیدادوں سے بیٹیوں کو کوئی حصہ نہیں دیتے تھے۔

اسلام سے پہلے انصار کا مذہب

برکات اسلام سے سعادت اندوز ہونے سے قبل انصار کی مذہبی حالت عام اہل عرب سے چنداں مختلف نہ تھی وہ پرلے درجے کے جاہل اور بُت پرست تھے۔ ”السیرة النبویہ“ میں ابن ہشام لکھتے ہیں:-

”اوس و خزرج مشرک تھے۔ بتوں کے پرستار تھے۔ جنت و دوزخ، بعث و نشر قیامت، کتاب حلال و حرام سے ناواقف تھے۔“

زمانہ قدیم میں اوس و خزرج ”لات“ کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کا مخصوص بت ”مناتہ“ ہو گیا۔ مناتہ کی ایک سنگی صورت ساحل بحر احمر کی قریب ایک پہاڑ ”مشلل“ پر نصب تھی۔ اور تمام اوس و خزرج آل غسان اور کئی دوسرے عرب قبائل اس کو پوجتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے حج میں اوس و خزرج تو احرام اتارنے کی رسم بھی یہیں ادا کرتے تھے۔ لات، عزیٰ اور اہل عرب کے دوسرے بتوں کی طرح اوس و خزرج کے نزدیک ”مناتہ“ بھی ایک دیوی (دیوی) تھی۔ وہ فرشتوں کو بھی دیہاں سمجھتے تھے اور تمام نظام قدرت کو عورتوں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ قرآن کریم میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

اِنَّ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلَّا اِنَاثًا (الانساء) ۱۱۷ (خدا کو چھوڑ کر یہ عورتوں کو پکارتے ہیں)

صاحب معجم البلدان کا بیان ہے کہ ”مناتہ“ پتھر کی ایک چٹان تھی اور تمام ازدی قبائل (جن میں اوس و خزرج بھی شامل تھے) اور آل غسان اس کو پوجتے تھے اور اس پر چڑھادے چڑھاتے تھے۔“

اوس و خزرج مناتہ کے لکڑی کے بت بنا کر اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔ میثرب کے بہت کم گھرايسے تھے جن میں مناتہ کا چوبی بت موجود نہ ہو۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے گھر البتہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ مناتہ کے علاوہ اوس و خزرج کچھ دوسرے بتوں قیس، عزیٰ، ود وغیرہ کی بھی پوجایا تعظیم کرتے تھے۔ انہوں نے ایک بت خانہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ ایک شخص اس بت خانہ کے انتظام اور نگرانی پر مقرر ہوتا تھا۔ طلوع اسلام کے وقت مدینہ کے بڑے بت خانہ کا متولی عمرو بن قیس نامی ایک شخص تھا۔ (بعض روایات میں ہے کہ میثرب

میں ایک نہیں بلکہ متعدد بت خانے تھے) اوس و خزر ج کے نزدیک ”مناۃ“ قضا و قدر کی دیہی تھی اور ہر قسم کا نفع و نقصان اس کے اختیار میں تھا۔

قبل از اسلام انصار کا عمومی مذہب اگرچہ بت پرستی تھا تاہم ان میں سے کچھ لوگوں نے یہودیت اور عیسائیت کے دامن میں پناہ لی تھی۔ یہودیوں سے تو وہ خاص طور پر متاثر تھے کیونکہ وہ تعلیم یافتہ اور منظم لوگ تھے اور انہوں نے مدینہ میں کئی علمی مدارس قائم کر رکھے تھے جہاں توریت کی تعلیم ہوتی تھی۔ انصار میں سے اگر کسی شخص کی اولاد زندہ نہ بچتی تھی تو وہ منّت ماننا تھا کہ اگر بچہ زندہ رہا تو اس کو یہودی بنادوں گا۔

بعض لوگ دینِ حنیفی کے بھی قائل تھے اس کا ذکر آگے آئے گا۔ انصار حج بیت اللہ اور قربانی کے قائل تھے۔ یثرب سے ہر سال بیسیوں لوگ حج کے لیے مکہ جاتے۔ حج کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ”جبلِ مثلث“ پر جاتے اور وہاں ”مناۃ“ کے سامنے نماز پڑھتے پھر عازمِ مکہ ہوتے۔ منیٰ کی گھاٹی کے قریب قیام کرتے۔ صفا اور مروہ کا طواف کرتے اور حج کی دوسری رسوم ادا کر کے پھر جبلِ مثلث پر جا کر مناۃ کے سامنے سر منڈواتے اور قربانی کرتے۔

حج کے ایام میں ہتھیار نہیں اٹھاتے تھے۔ اشہر حُرُم کی دل سے عزت کرتے تھے۔ ان میں نماز کی بھی ایک بگڑی ہوئی صورت موجود تھی۔ جھاڑ پھونک پر یقین رکھتے تھے اور کئی لوگ سانپ بچھو وغیرہ کے کانٹے کا علاج جھاڑ پھونک کے ذریعہ کرتے تھے۔ ان کی اخلاقی حالت قریشِ مکہ اور عرب کے دوسرے قبائل کی نسبت قدرے بہتر تھی۔ فواحش کو برا جانتے تھے اور اخلاقی جرائم کا کسی نہ کسی صورت میں محاسبہ کرتے تھے۔



صُبحِ سعادت کا طُلوع

www.KitaboSunnat.com

نبی آخر الزماں کا انتظار

بیچے ذکر آچکا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل اگرچہ انصار یکسر جاہل اور بت پرست تھے تاہم وہ یہود کے علمی تفوق سے ضرور متاثر تھے۔ یہود میں بلاشبہ بیسیوں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں اور وہ بعض شرکانہ افعال میں مبتلا ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود وہ تمدنی اور علمی لحاظ سے بڑے منظم تھے۔ مال و دولت کی ان کے پاس فراوانی تھی اور شراب سے شام تک بڑے سرسبز اور شاداب مقامات ان کے قبضے میں تھے۔ شراب کے یہودی اوس و خزرج میں افتراق کے باوجود ان سے ہمسری کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے تھے البتہ ان کی جہالت اور بت پرستی کی وجہ سے انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہودی بہر صورت اہل کتاب ہونے کے مدعی تھے اور بت پرستی سے اجتناب کرتے تھے۔ انہوں نے مدینہ میں ایک ”بیت المدارس“ قائم کر رکھا تھا۔ جہاں یہودی علماء توراۃ اور اپنی دوسری مذہبی کتابیں عربی میں ترجمہ کر کے اہل مدینہ کو سنایا کرتے تھے۔ یہودیوں کے مذہبی صحیفوں میں ایک اور پیغمبر (نبی آخر الزماں) کی آمد کی پیشینگوئی واضح طور پر موجود تھی یہودی نہ صرف خود اس پیشین گوئی میں یقین رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اس سے اوس و خزرج کے کانوں کو بھی آشنا

- (۱) خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے ان پر جلوہ گر ہوا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے ایک آتشیں شریعت تھی (استثنا ۲۳-۲۴ توراۃ)
- (۲) میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں تجھ (موسیٰ) سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ اس سے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا۔

(استثنا ۱۸-۱۹ توراۃ)

کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہور اسلام سے قبل نہ صرف یہود بلکہ انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے منتظر تھے۔ لیکن فلکِ شعبہ باز کی نیرنگیوں کو دیکھیے کہ جب وہ پیغمبر موعود ﷺ رونق افروز عالم ہوئے تو وہی یہود جو ان کی آمد کی پیشینگوئی کو عام کرنے والے تھے۔ ان کے قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہے۔ یہ سعادت تو قسّامِ ازل نے ”بت پرست اور جاہل“ اوس و خزرج کے مقدر میں لکھ رکھی تھی

یہ رہے بلا جس کو مل گیا

قرآن حکیم میں یہودیوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے
 كَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا - (بقرہ رکوع ۱۱)
 ”وہ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے) کفار کے مقابلے میں فتح کی تمنا کیا کرتے تھے۔“

یہاں ”فتح کی تمنا کرنے“ سے یہ مراد ہے کہ وہ ایک نبی کے آنے کی تمنا اور دعا کر رہے تھے کیونکہ ان کے مذہبی صحیفوں میں لکھا ہوا تھا کہ جب نبی آخر الزماں مبعوث ہوگا تو اس کی برکت سے (اگر تم نے اس کا ساتھ دیا تو) کفار و مشرکین پر فتح حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ انصارِ مدینہ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے وہ ہمارا نجات دہندہ ہوگا اور ہم اس کی پیروی کر کے تم پر غالب آئیں گے۔ یہودی انہی باتوں کی وجہ سے انصار میں بھی نبی آخر الزماں کی آمد کا چرچا عام ہو گیا تھا۔ لیکن یہودی تیرہ بختی اور نامرادی دیکھیے کہ جب وہ پیغمبر موعود رَحْمَةُ اللّٰعَالَمِینِ بن کر تشریف لائے تو یہود نے ان کو ماننے سے یکسر انکار کر دیا۔ سورۃ فاطر میں یہودی اسی بد بختی کی طرف اشارہ ہے:

فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا
 نِفُورًا ۝ (رکوع: ۵)
 جب ان کے پاس ایک ڈرانے والا (پیغمبر) پہنچا (جس کے وہ خواہشمند اور منتظر تھے) تو وہ الٹے اس سے بدک کھڑے ہوئے۔

اسی طرح سورۃ بقرہ میں ہے:

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ
 جب ان کے پاس وہ چیز آگئی جس کو انہوں
 (رکوع: ۱۱) نے خوب جانا پہچانا بھی تو اس کے ماننے
 سے انکار کر دیا۔

یہود کی طرح مدینہ کے عیسائی بھی ایک پیغمبر موعود (وہ نبی) کے منتظر تھے جو یہود سے
 ان کے مظالم کا بدلہ لینے والا اور عیسائیوں کو تمام اقوام پر غالب کرنے والا ہوگا لیکن
 پیغمبر موعود ﷺ کی آمد پر وہ بھی اس کے قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہے۔

سوید الکامل

انصار کے زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا ایک شخص ”سوید بن صامت“ مدینہ میں
 بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ وہ نہایت وجیہ اور شجاع آدمی تھا اور نہ صرف فنون حرب کا
 ماہر تھا بلکہ پڑھنا لکھنا بھی جانتا تھا اور ایک فصیح البیان شاعر تھا۔ ان خوبیوں کی بدولت وہ
 انصار میں ”کامل“ کے لقب سے مشہور تھا۔ سوید کو کہیں سے ”امثال لقمان“ کا ایک نسخہ

۱۔ انجیل یوحنا باب اول درس ۱۹ تا ۲۸ میں ہے۔

”یوحنا (یحییٰ) نے اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیا تو الیاس ہے؟ اس
 نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو ”وہ نبی“ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔“ قاضی محمد سلیمان
 سلمان منصور پوریؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”اس سے مطلب نکلا کہ علمائے یہود
 اس زمانے میں تین انبیاء کی آمد و ظہور کے منتظر تھے (۱) الیاس (۲) مسیح (۳) ”وہ
 نبی“۔ انجیل سے ثابت ہے کہ یوحنا نے یسوع کو مسیح بتایا اور مسیح نے یوحنا کو الیاس کہا۔ اب
 تیسرے کا ظہور باقی تھا جو کتب سابقہ میں ”وہ نبی“ اور مسلمانوں کی زبان پر ”آنحضرت“
 کے خطاب سے یاد کیے گئے ہیں۔ اگر آنحضرت وہ نبی نہیں تو پادری بتائیں کہ مسیح کے بعد وہ
 نبی کہلانے والا کون ہوا۔“ (رحمۃ اللعالمین جلد اول)

۲۔ حضرت لقمان عرب میں ایک حکیم و دانہ کی حیثیت سے بہت مشہور تھے۔ بعض لوگوں کے
 نزدیک وہ پیغمبر تھے لیکن جمہور مسلمین کے نزدیک وہ خدا کے ایک نیک اور برگزیدہ بندے تھے۔
 (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاتھ لگ گیا تھا۔ اسے پڑھ کر اس نے بہت سے اسرارِ حکمت سیکھے اور توحید سے آشنا ہو گیا۔ سوید اس نسخے کو آسمانی کتاب سمجھتا تھا اور اس میں مندرج ہدایات پر عمل کرنے کو باعثِ سعادت و نجات جانتا تھا۔ سوید کی شخصیت اور عقائد کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی حتیٰ کہ اہل مکہ میں بھی وہ ایک جانی پہچانی شخصیت بن گیا تھا۔ ایک دفعہ وہ حج کے لیے مکہ گیا۔ اس وقت ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے تھے۔ آپ نے سوید کی آمد کا حال سنا

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن (جلد اول) میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ لقمان یمن کے بادشاہ تھے اور حضرت ہود علیہ السلام کی شریعت کے متبع تھے۔ وہ قوم عاد کے ان اہل ایمان کی نسل سے تھے جو اس قوم پر عذاب الہی آنے کے بعد حضرت ہودؑ کے ساتھ بچ رہے تھے۔ لیکن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے کہ بعض اکابر صحابہؓ و تابعینؓ (حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، جابر بن عبداللہ انصاریؓ، مجاہدؓ، عکرمہؓ اور خالد الربیعؓ) کی روایت کے مطابق لقمان ایک سیاہ فام غلام تھے اور ان کا وطن حبش یا مصر یا نوبہ (سوڈان) تھا۔ علامہ سیبلی صاحبِ روض الانف اور علامہ مسعودی صاحبِ مروج الذهب کا بیان ہے کہ لقمان اصلاً تو نوبی تھے لیکن مدین اور ایلہ (موجودہ عقبہ) کے علاقے کے باشندے تھے۔ ان کی زبان عربی تھی اسی لیے ان کی حکمت عرب میں شائع ہوئی۔ مزید برآں سیبلیؒ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ لقمان حکیم اور لقمان بن عاد (شاہ یمن) دو الگ الگ اشخاص ہیں اور ان کو ایک شخصیت قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(تفہیم القرآن جلد چہارم تفسیر سورہ لقمان)

قرآن حکیم میں حضرت لقمان کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (یہیک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی) گو حضرت لقمان اہل عرب میں نزولِ قرآن سے پہلے بھی مشہور تھے لیکن قرآن حکیم کی سورہ لقمان نے انہیں حیاتِ جاوید بخش دی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت لقمان، حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ وہ یمن ہی سے سوچ بچار کے عادی اور نہایت ذہین تھے۔ ان کی یہ صفات دیکھ کر ان کے آقا نے انہیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی ذمہ گی تحصیلِ علم کے لئے وقف کردی اور قرآن کریم کی شہادت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت سے بہرہ ور کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چار ہزار نصائح کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ یہی مجموعہ ”صحیفہ لقمان“ یا ”امثال لقمان“ کے نام سے مشہور تھا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے دعوتِ حق دی۔

سویڈ نے کہا۔ ”جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرے پاس بھی ہے۔“ حضور ﷺ نے پوچھا: ”تمہارے پاس کیا ہے؟“

سویڈ نے جواب دیا۔ ”صحیفہ لقمان“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”مجھے پڑھ کر سناؤ۔“ سویڈ نے اس کا کچھ حصہ سنایا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے اس کے بعد آپ نے قرآنِ کریم کی چند آیات پڑھیں۔ سویڈ ان سے بڑا متاثر ہوا اور اسلام سے بہت قریب ہو گیا۔ جب وہ مدینہ واپس آیا تو وقفاً فوقاً اہل مدینہ کے سامنے اسلام کا چرچا کرنے لگا۔ اس کے میلانِ خاطر کا انصار پر کافی اثر پڑا۔ بد قسمتی سے تھوڑے ہی عرصہ بعد (جنگِ بعاث سے قبل) وہ خنزرج

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضرت لقمان سے منسوب سبق آموز حکایتوں کا ایک مجموعہ مدت ہوئی دہریس سے شائع ہوا تھا لیکن اس کے بیشتر مندرجات غیر مستند ہیں۔ قرآنِ حکیم کے مطابق حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اے میرے فرزند! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اگر ماں باپ بھی تجھے شرک کی ترغیب دیں تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔

۲۔ اے میرے بیٹے نماز پابندی سے پڑھا کر۔

۳۔ نیکی کی تلقین کر اور بدی سے لوگوں کو بچا۔

۴۔ مصیبت آئے تو اس پر صبر کر۔

۵۔ غرور سے منہ لوگوں سے نہ پھیرا کر اور نہ زمین میں اتر کر چل۔ بیشک اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

۶۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر۔

۷۔ اپنی آواز دھیمی رکھ کہ بدترین آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت لقمان نے بڑی طویل عمر پائی۔ آخری عمر میں وہ رملہ اور بیت المقدس کے درمیان ایک مقام پر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ وہیں انہوں نے وفات پائی۔

کے ایک نوجوان لڑکے ہاتھ سے مارا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سوید جنگِ بعاث میں مقتول ہوا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو شاید اسلام کا قوی دست و بازو ثابت ہوتا۔ ایک روایت کے مطابق سوید مسلمان مرا۔ سوید حلیف اسلام میں مرا یا نہیں بہر حال اس کے ذریعہ انصار کے کانوں میں اسلام کی بھنک ضرور پڑ گئی۔

ارضِ یثرب کا پہلا مسلمان

”ایام الانصار“ میں اوس نے معص اور مضر کی جنگوں میں خزرج سے پے درپے شکستیں کھائیں تو وہ گھبرا گئے اور ایک وفد مرتب کر کے خزرج کے خلاف قریش کو اپنا حلیف بنانے کے لیے مکہ پہنچے۔ اس وفد میں ایک سعید الفطرت فحخص ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ان لوگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آپ تبلیغ حق کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے سامنے قرآنِ حکیم کی چند آیات پڑھیں تو ایاس کا دل پکھل گیا اور وہ بے اختیار پکارا اٹھے:

”میرے بھائیو! جس کام کے لیے ہم یہاں آئے ہیں یہ کام (یعنی قبولِ اسلام)

اس سے یقیناً بہتر ہے۔“

سوید بن صامت کے قاتل کا نام مجذّر بن زیاد انصاری ہے۔ وہ خزرج کے قبیلہ بنی سے تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد مشرفِ باسلام ہوئے۔ حالتِ اسلام میں مکہ کا نیک دل رئیس ابوالختری بھی اتفاقاً ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ رسولِ اکرم نے اس کے مارنے کی ممانعت فرمائی تھی کیونکہ بنی ہاشم سے مقاطعہ کا معاہدہ در کعبہ سے اتروانے میں اس نے بڑا کام کیا تھا۔ مجذّر نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم کھا کر بتایا کہ ابوالختری اپنے ایک ساتھی کو بچانے کے لئے خود مجھ سے لڑا اور نہ میں اسے ہرگز نہیں مارنا چاہتا تھا۔

حضرت مجذّر بدر اور احد میں شریک ہوئے اور اتفاق دیکھیے کہ وہ ایک نام نہاد مسلمان کی تیغِ ستم کا شکار ہو گئے۔ یہ شخص سوید بن صامت کا بیٹا حارث تھا۔ اس نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے انہیں شہید کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے بعد رسولِ اکرم نے اسے حضرت مجذّر کے قصاص میں قتل کرادیا۔

وفد کا امیر ایاس کی بات پر بہت برا فروختہ ہوا۔ اس نے زمین سے چند کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر ماریں اور کہنے لگا ”تیرا برا ہو ہم اس کام کے لیے یہاں نہیں آئے۔“ ایاس اس وقت خاموش ہو گئے لیکن مدینہ پہنچ کر وہ علانیہ ربّ واحد کی بڑائی اور پاکیزگی بیان کرنے لگے اور لوگوں کو توحید کی طرف بلانے لگے۔ ان کا قبیلہ سمجھ گیا کہ ایاس مسلمان ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ سعید الفطرت ایاس نے ہجرت نبوی سے پہلے داعی اجل کو لبیک کہا۔ رحلت کے وقت ان کی زبان پر تحمید و تکبیر جاری تھی۔ ایاس خود تو خالق حقیقی کے پاس جا پہنچے لیکن اپنی پاک باطنی اور اسلام کا گہرا اثر انصار پر چھوڑ گئے۔

چھ سعید رو حیل

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آیام حج میں زائرین حرم کے پاس جا کر انہیں دعوتِ توحید دیتے تھے اور وقتاً فوقتاً مختلف قبائل کے پاس جا کر ان کے سامنے دینِ حق پیش کرتے تھے۔ قبائل کے بدنصیب رؤسا بڑے روکھے سوکھے جواب دیتے تھے۔ زائرین حرم پر بھی دعوتِ حق کا چنداں اثر نہ ہوتا تھا۔ لیکن انبیوت کے موسم حج میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب صورت پیدا کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کرتے کرتے منیٰ میں چند ایسے خیموں کے پاس پہنچ گئے جہاں یثرب سے آئے ہوئے چند سعید الفطرت لوگ قیام پذیر تھے۔ یہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی تھے۔ یہ لوگ یہود کے قرب اور سوید الکامل اور ایاس بن معاذ کی تعلیمات کی بدولت نبی آخر الزمان ﷺ اور اسلام کے نام سے کلیتہً نا آشنا نہیں تھے۔ حضور ﷺ نے جب ان کے پاس پہنچ کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت پاکی اور بڑائی بیان کرنی شروع کی تو وہ بے حد متاثر ہوئے۔ اس کے بعد جب ہادی اکرم ﷺ نے قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی تو ان کے دل بالکل ہی پکھل گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ واللہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ ہر وقت یہود کی زبان پر ہے، دیکھنا یہود کہیں ہم سے قبولِ حق میں سبقت نہ لے جائیں۔ یہ کہہ کر سب اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے۔

ان چھ نفوسِ قدسی کے نام یہ ہیں:

- ۱- حضرت اسعد بن زرارہ
- ۲- حضرت عقبہ بن عامر بن نابی
- ۳- حضرت عوف بن حارث بن عفرہ
- ۴- حضرت رافع بن مالک بن عجلان
- ۵- حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ
- ۶- حضرت جابر بن عبد اللہ

چراغ سے چراغ جلنے لگا

خزرج کی چھ مقدس ہستیوں کا قبولِ اسلام گویا انصار میں صبحِ سعادت کا طلوع تھا۔ اللہ کے یہ مقدس بندے جب دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر مدینہ منورہ واپس گئے تو انہوں نے وہاں نہایت تندہی سے دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ان بزرگوں کی تبلیغی مساعی سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور کچھ اور لوگوں نے کھلم کھلا اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ اگلے سال (۱۲ نبوت کے موسمِ حج میں) مدینہ منورہ سے بارہ مسلمان سرورِ کونین ؑ کی زیارت کے لیے مکہ پہنچے۔ ان میں دس قبیلہ خزرج اور دو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:-

خزرجی

- | | |
|---|------------------|
| (۱) اسعد بن زرارہ | (۲) عوف بن حارث |
| (۳) رافع بن مالک | (۴) قطبہ بن عامر |
| (۵) عقبہ بن عامر (یہ پانچوں حضرات سالِ گزشتہ بھی رسولِ اکرم <small>ؐ</small> کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے) | |

- | | |
|-------------------|----------------------------------|
| (۶) معاذ بن حارث | (۷) ذکوان بن عبد قیس |
| (۸) عبادہ بن صامت | (۹) ابو عبد الرحمن یزید بن ثعلبہ |

(۱۰) عباس بن عبادہ

اُوسی

(۱۱) ابوالہیثم بن تیان (۱۲) عویم بن ساعدہ

بیعت عقبہ اولیٰ

اس مقدس قافلے کے آنے کا حال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ رات کو منیٰ میں (عقبہ کی گھاٹی میں جہاں اب ایک مسجد بنا دی گئی ہے) تشریف لے گئے۔ یثربی مسلمان وہاں ہی قیام پذیر تھے۔ انہوں نے بڑھ کر حضور ﷺ کے قدم لیے اور ان چھ باتوں پر آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

۱۔ ہم شرک نہ کریں گے۔

۲۔ ہم چوری نہ کریں گے۔

۳۔ ہم زنا نہ کریں گے

۴۔ ہم کسی کی چغلی نہ کریں گے اور نہ کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں گے۔

۵۔ ہم اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے۔

۶۔ ہم رسول کریم ﷺ کی تمام اچھی باتوں میں اطاعت کریں گے۔

بیعت لینے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے اپنے عہد کو پورا کیا تو جنت کے حقدار بن جاؤ گے۔ اگر نقض عہد کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ تمہیں عذاب دے یا معاف کر دے۔

واپسی کے وقت ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ انہیں قرآن پڑھانے اور دین کی باتیں سکھانے کے لیے ایک معلم عطا کریں۔ حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر کو یہ خدمت تفویض کی اور ان کو اس مقدس قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

مدینہ میں حضرت مصعبؓ کی تبلیغی مساعی

مدینہ پہنچ کر حضرت مصعبؓ بن عمیر حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے ہاں فروکش ہوئے اور نہایت تندہی سے تبلیغ حق میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے اپنے پاکیزہ کردار سے بیسیوں لوگوں کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کر دی اور مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیلنے لگا۔ لیکن ابھی تک اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے سردار اسلام سے نا آشنا تھے اس لیے اشاعت اسلام کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رکاوٹ کے دور کرنے کی بھی صورت پیدا کر دی۔ ایک دن حضرت مصعبؓ بن عمیر بنو عبد الاشہلؓ کے ایک باغ میں گئے اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں کو تعلیم دینے لگے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ بھی وہاں موجود تھے۔ کسی نے جا کر اوس کے سردار اسعدؓ بن معاذ کو اطلاع دی کہ مسلمان

۱۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بھی توحید کے قائل تھے۔ انصاری سابقین اسلام میں وہ نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ہجرت کے بعد سرور کائنات حضرت ابوالیوبؓ کے گھر قیام پذیر ہوئے اور آپؐ کی اونٹنی کو حضرت اسعدؓ اپنے گھر لے گئے۔ حضورؐ کی مدینہ میں تشریف آوری کے چند ہی ماہ بعد حضرت اسعدؓ نے خلق کے شدید درد کی وجہ سے وفات پائی۔ حضورؐ کو سخت صدمہ پہنچا۔ آپؐ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن کیا۔ بقیع میں دفن ہونے والے یہ سب سے پہلے مسلمان تھے اور مدینہ میں یہ پہلی نماز جنازہ تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔

۲۔ ”بنو عبد الاشہل“ قبیلہ اوس کی ایک شاخ تھے۔

۳۔ سید الاوس حضرت اسعدؓ بن معاذ بڑے رتبہ کے صحابی ہیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی کی بدولت مسلمان ہوئے اور پھر ان کو اپنے مکان میں لے آئے۔ غزوات بدر و احد میں نہایت جوش سے شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں ان ثابت قدم اصحاب میں تھے جو آخر تک میدان جنگ میں ڈٹے رہے۔ جنگ خندق میں شدید زخمی ہوئے اور اسی زخم کی وجہ سے چند دن بعد وفات پائی۔ حضورؐ کو سخت رنج ہوا اور ان کی نعش کو اپنی گود میں لے لیا۔ دفن کے بعد حضورؐ واپس ہوئے تو آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ اسعدؓ کی موت سے عرش الہی ہل گیا.....

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تمہارے محلہ میں آ کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ سعد یہ خبر سن کر بڑے غضبناک ہوئے لیکن اسعد بن زرارہ کا (جوان کے خالہ زاد بھائی تھے) پاسِ خاطر کرتے ہوئے خود وہاں جانے میں متامل ہوئے اور اپنے ابنِ عم اُسید بن خُصیر سے کہا کہ تم چل کر ان مسلمانوں کو منع کر دو کہ وہ آئندہ ہمارے آدمیوں کو گمراہ کرنے اُس کے محلوں میں نہ آئیں۔

اُسید بڑے شجاع آدمی تھے انہوں نے جوشِ غضب میں اپنا نیزہ اٹھایا اور اکیلے ہی بنو عبد الاشہل کے باغ کی طرف لپکے۔ حضرت اسعد نے انہیں اس حالت میں آتے دیکھا تو حضرت مصعبؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔

”یہ قبیلہ اُس کے دو بڑے سرداروں میں سے ایک ہے اگر یہ دینِ حق قبول کر لیں تو ہمیں بڑی تقویت پہنچے گی۔“

اُسید قریب آتے ہی خشم آلود لہجے میں تیز تیز گفتگو کرنے لگے اور حضرت مصعبؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

”تم ہمارے آدمیوں میں گمراہی پھیلا رہے ہو اگر خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی ہمارے محلوں کا رخ نہ کرنا۔“

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور ستر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں شریک ہوئے انصار میں سعد بن معاذ تھا وہ صحابی ہیں جن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ایک پورا قبیلہ ایک دن کے اندر مسلمان ہو گیا۔ اپنی دینی خدمات کی بدولت وہ انصار کے ”صدیق اکبر“ سمجھے جاتے تھے۔

اُسید بن خضیر حضرت سعد بن معاذ کے ابنِ عم تھے اور ان کے بعد دوسرے نمبر پر اُس کے رئیس تھے۔ بیعت عقبہ ثانی میں شریک تھے۔ جنگِ اُحد میں نہایت ثابت قدمی سے واہِ شجاعت دی۔ غزوہٴ خندق میں نہایت بے جگری سے خندق کی حفاظت کی۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرمؐ شہر میں اس طرح داخل ہوئے کہ ایک طرف صدیق اکبرؓ اور دوسری طرف اُسید بن خضیر تھے۔ جنگِ حنین میں اُسید اُس کے علمبردار تھے۔ فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں فتح بیت المقدس کے وقت اُسید امیر المؤمنین کے ساتھ مدینہ سے شام گئے۔ ۲۰ھ میں وفات پائی۔ فاروقِ اعظمؓ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت مصعبؓ نے ان کی غضب آلود گفتگو نہایت تحمل سے سنی اور پھر نہایت نرمی سے فرمایا۔ ”عزیز بھائی آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام سے میری باتیں سنیں اگر پسند آئیں تو قبول کریں ورنہ رد کر دیں۔“

حضرت مصعبؓ کی حلم آمیز گفتگو نے اُسید کے غیظ و غضب پر پانی کے چھینٹوں کا کام کیا اور وہ اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر یہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔ ”اچھا کہو کیا کہتے ہو۔“

حضرت مصعبؓ نے نہایت دلنشیں انداز میں اسلام کے اصول بیان کیے اور پھر قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں۔ اسید بے اختیار پکار اٹھے۔

”واہ یہ کیسا اچھا دین ہے اور یہ کیسا اعلیٰ کلام ہے۔ اللہ مجھے اپنے دین میں داخل کر لو۔“

حضرت مصعبؓ نے انہیں غسل کرنے اور پاک کپڑے پہننے کی تلقین کی پھر ان سے کلمہ شہادت پڑھوا کر حلقہ اسلام میں داخل کر لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اُسید بولے:

”ایک شخص اور ہے اگر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تو سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا۔“

یہ کہہ کر سیدھے سعد بن معاذ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ ”وہاں تو کوئی اور ہی بات درپیش ہے۔ آپ کا بذات خود وہاں جانا ضروری ہے۔“ سعدؓ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا اور وہ بھی اپنا نیزہ اٹھا کر مسلمانوں کے پاس پہنچے اور انہیں ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ سعدؓ بن زرارہ نے کہا۔ ”بھائی ذرا بیٹھ کر سنو تو یہ صاحب کہتے کیا ہیں اگر ان کی باتیں تم پسند کرو تو بہتر ورنہ تمہیں اختیار ہے۔“

سعد ان کے کہنے سے بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے بھی محاسن اسلام پیش کیے اور پھر قرآن کریم سنایا۔ سعدؓ بن معاذ کا قلب صافی آنا فانا نور ایمان سے جگمگا اٹھا اور وہ بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو سارے بنو عبد الاشہل کو جمع کر کے کہنے لگے:-

”تمہارے نزدیک میں کیسا ہوں۔“

جواب ملا۔ ”آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم سب سے عاقل اور معاملہ فہم ہیں۔“

سعدؓ بولے۔ ”تو پھر سن لو کہ میں نے دینِ حق قبول کر لیا ہے اور جب تک تم بھی خدائے واحد اور اس کے برگزیدہ رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ مجھے تم سے گفتگو کرنا حرام ہے۔“

حضرت سعدؓ بن معاذ کا اعلان سن کر بنو عبد الاشہل کے بیشتر افراد اسی وقت نعتِ اسلام سے سعادت اندوز ہو گئے۔ جو باقی رہ گئے وہ بھی چند ایک کے سوا شام ہوتے ہوتے مسلمان ہو گئے اور مدینہ کے درود یوار تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حنفیر کے قبولِ اسلام کا یہ اثر ہوا کہ انصار کے تمام خاندانوں میں اسلام نہایت تیزی سے پھیلنے لگا۔

قبیلہ خزرج کے متعدد افراد پہلے ہی مُشْرِفِ بَدِ اسلام ہو چکے تھے ان کے سردار سعدؓ بن عبادہ کے قبولِ اسلام نے اور لوگوں کو بھی اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ حضرت ابویوب انصاریؓ بھی انہی مقدس ہستیوں میں شامل ہیں جنہوں نے حضرت مصعبؓ کی تبلیغی مساعی کی بدولت اسی زمانے میں اسلام قبول کیا۔

۱۔ سید الخزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ بڑے عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ آیامِ جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور فنونِ حرب میں مہارت رکھتے تھے اس لئے ”کامل“ کے لقب سے مشہور تھے۔ عقبہ ثانی میں رسول اکرمؐ کی بیعت سے مُشْرِف ہوئے۔ بڑے دولت مند اور فنی تھے۔ جنگ بدر سے پہلے ایک کتے نے کاٹ کھایا اس لیے لڑائی میں شرکت نہ کر سکے۔ تاہم حضورؐ نے مالِ غنیمت میں ان کا پورا حصہ لگایا۔ غزواتِ اُحُد، مِصْلَق، احزاب، حدیبیہ اور خیبر میں نہایت ثابت قدمی سے لڑے۔ بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھے۔ غزوہٴ خنین میں خزرج کے علمبردار تھے۔ رسول اکرمؐ کے وصال کے بعد انصار انہی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ صدیق اکبرؓ کے انتخاب کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ مسندِ آرائے خلافت ہوئے تو سعد ترک وطن کر کے دمشق کے قریب حوران کے علاقے میں جا بسے۔ ۱۵ھ میں کسی نامعلوم شقی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ قاتل نے آپ کی لاش غسل خانے میں ڈال دی تھی۔ ان کی بے مثال فیاضی کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔

www.KitaboSunnat.Com

مقدس پیمانِ وفا

شمعِ توحید کے پچھتر پروانے

۳۱ نبوت کے موسم حج میں مدینہ سے پانچ سو آدمیوں کا ایک قافلہ حج کے لیے مکہ روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں اوس و خزرج کے پچھتر ایسے نفوسِ قدسی بھی شامل ہو گئے جو نورِ ایمان سے سعادت اندوز ہو چکے تھے اور سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشتاق تھے۔ ان میں ۷۳ مرد اور دو خواتین تھیں ان سب کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

قبیلہ اوس

- | | |
|-------------------------------|-----------------------------|
| ۱- حضرت اسید بن خنیز | ۲- حضرت سعد بن خثیمہ |
| ۳- حضرت عویم بن ساعدہ | ۴- حضرت سلمہ بن سلامہ بن قش |
| ۵- حضرت ابولہثم بن العتیاں | ۶- حضرت عبداللہ بن جبہ |
| ۷- حضرت ابو بردہ ہانی بن نزار | ۸- حضرت معن بن عدی |
| ۹- حضرت ظہیر بن رافع بن عدی | ۱۰- حضرت نہیم بن الہیشم |
| ۱۱- حضرت رفاعہ بن عبدالمندر | |

قبیلہ خزرج

- | | |
|------------------------------|----------------------|
| ۱- حضرت ابوالیوب خالد بن زید | ۴- حضرت عمارہ بن حزم |
| ۲- حضرت معاذ بن حارث | ۵- حضرت سعد بن ربیع |
| ۳- حضرت عوف بن حارث | ۶- حضرت فروہ بن عمرو |

- ۷- حضرت خلاؤد بن سوید
۸- حضرت زیاؤد بن لبید
۹- حضرت خارجه بن زید
۱۰- حضرت عبداللہ بن رواحہ
۱۱- حضرت اوس بن ثابت
۱۲- حضرت ابو طلحہ زید بن سہل
۱۳- حضرت قیس بن ابی صعصعہ
۱۴- حضرت براء بن معرور
۱۵- حضرت سہیل بن عتیک
۱۶- حضرت عبداللہ بن زید
۱۷- حضرت بشیر بن سعد
۱۸- حضرت منذر بن عمرو
۱۹- حضرت عقبہ بن وہب
۲۰- حضرت ابوالولید فاعہ بن عمرو بن زید
۲۱- حضرت عبادہ بن صامت
۲۲- حضرت معاذ بن جبل
۲۳- حضرت ثابت بن جذع
۲۴- حضرت غمیر بن حث
۲۵- حضرت معاذ بن عمرو بن جموح
۲۶- حضرت عبداللہ بن عمرو
۲۷- حضرت عمرو بن غنمہ
۲۸- حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو
۲۹- حضرت ثعلبہ بن غنمہ
۳۰- حضرت قطبہ بن عامر
۳۱- حضرت سلیم بن عمرو
۳۲- حضرت جبار بن صخر
۳۳- حضرت طفیل بن مالک
۳۴- حضرت ضحاک بن حارثہ
۳۵- حضرت یزید بن منذر
۳۶- حضرت معقل بن منذر
۳۷- حضرت طفیل بن نعمان
۳۸- حضرت سنان بن صفی
۳۹- حضرت بشر بن براء
۴۰- حضرت حرث بن قیس
۴۱- حضرت سعد بن عبادہ
۴۲- حضرت عباد بن قیس
۴۳- حضرت خالد بن قیس
۴۴- حضرت ذکوان بن عبد قیس
۴۵- حضرت عمرو بن حارث
۴۶- حضرت ابو عبد الرحمن بن یزید بن ثعلبہ
۴۷- حضرت عباس بن عبادہ
۴۸- حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو
۴۹- حضرت خالد بن عمرو
۵۰- حضرت عبداللہ بن انیس
۵۱- حضرت رفاعہ بن حارث بن سواد
۵۲- حضرت عمرو بن غزیہ

- ۵۳۔ حضرت ابوامامہؓ سعد بن زرارہ ۵۹۔ حضرت صفیؓ بن سواد
 ۵۴۔ حضرت ابو مسعود عقبہؓ بن عمرو ۶۰۔ حضرت اوسؓ بن عباد بن عدی
 ۵۵۔ حضرت رافعؓ بن مالک ۶۱۔ حضرت یزیدؓ بن عامر
 ۵۶۔ حضرت مسعودؓ بن یزید ۶۲۔ حضرت خدیجؓ بن سلامہ
 ۵۷۔ حضرت یزیدؓ بن زام ۶۳۔ حضرت اُمّ منیعؓ اسماء بنت عمرو (بنو سلمہ)
 ۵۸۔ حضرت کعبؓ بن مالک ۶۴۔ حضرت اُمّ عمارؓ نسیمہؓ بنت کعب

ان پچھتر مبارک ہستیوں کے علاوہ مدینہ میں اور بھی بہت سے اہل ایمان موجود تھے لیکن وہ کسی وجہ سے اس قافلے میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ انہوں نے قافلہ میں شریک مسلمانوں کو پیغام دیا کہ نبی آخر الزمان ﷺ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی اس قافلہ کے ہمراہ تھے۔ چونکہ مسلمانوں کے لیے الگ قافلہ بنانے میں بہت سے خطرات پوشیدہ تھے اس لیے یہ پچھتر حق پرست اہل مدینہ کے اس بڑے قافلے ہی میں شامل ہو گئے۔ جس میں اکثریت بت پرستوں کی تھی۔

ان پچھتر نفوسِ قدسی کا مکہ آنا تاریخ اسلام میں بے انتہا اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے جو شجاعانہ اور بے باکانہ اقدام کیا اس نے مسلمانوں کی کایا پلٹ دی اور تاریخ کا رخ پھیر دیا۔

خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضری

حج سے فارغ ہونے کے بعد سرورِ کائنات ﷺ نے ایک رات مقرر کی اور انصارِ مدینہ کا مقدس گروہ رات کی تاریکی میں عقبہ کی گھاٹی میں ایک درخت کے نیچے جمع ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ حضرت عباسؓ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن قرابت داری اور خاندانی عصبیت کی وجہ سے وہ رسول کریم ﷺ کے دلی خیر خواہ تھے۔ اس سے پیشتر انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ مدینہ سے متعدد نو مسلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب تشریف لے چلنے کی دعوت دینے آئے ہیں۔

حضرت عباسؓ نے ان مجتہد نفوسِ قدسی سے مخاطب ہو کر کہا:-

”اے برادرِ اہلِ یثرب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں۔ قریش ان کے جانی دشمن ہیں تاہم ہم نے ہمیشہ دشمنوں سے ان کی حفاظت کی ہے..... اور آئندہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق کریں گے۔ اگر تم اپنے وعدوں کو پورا کر سکتے ہو اور مرتے دم تک محمد (ﷺ) کی حفاظت کر سکتے ہو تو کوئی بات کرنا۔ خوب سمجھ لو کہ محمد (ﷺ) سے کوئی عہد و پیمان کرنا گویا ہولناک مصائب اور خوریز جنگوں کو دعوت دینا ہے۔ اس لیے سب کچھ سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا اور نہ ان (ﷺ) کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔“

حضرت عباسؓ کی تقریر سن کر مدینہ کے رئیس خزرج حضرت براء بن معرورؓ جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا:

”اے عباس ہم نے تیری بات سنی تو ہماری بھی یاد رکھ کہ ہم نامرد نہیں ہیں ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے.....“

دوسرے انصار نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی کچھ فرمائیے۔“ حضور ﷺ نے قرآن حکیم کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور اہلِ یثرب کو اسلام پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی اور پھر فرمایا۔ ”میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ تم اپنی جانوں اور اہل و عیال کی مانند میری حفاظت کرو گے اور دین کی اشاعت میں میری پوری مدد کرو گے۔“

حضرت براء بن معرورؓ نے آپ ﷺ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور کہا:

”یا رسول اللہ! خدائے برتر کی قسم ہم اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ آپ کی حفاظت کریں گے۔“

ابو الہیثم بن الہیثم نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

”یا رسول اللہ! اس وقت ہمارے اور یہود کے مابین معاہدات ہیں جو بیعت کے بعد فتح ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ آپ اقتدار اور قوت پا کر ہمیں چھوڑ دیں۔“

حضور ﷺ متبسم ہوئے اور فرمایا:-

بل الدم الدم، والهدم الهدم، انا منكم والتم منى، حارب من حاربتم
واسالم من سالمتم۔

”بلکہ میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، تم جس سے لڑو گے میں بھی لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا۔“

گویا مختصر حضور ﷺ نے یہ واضح کیا کہ میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہوگا۔
حضور ﷺ کے ارشادات سن کر یہ سب نفوس قدسی بیعت کے لیے لپکے سب سے پہلے حضرت براء بن معرور نے بیعت کی ان کے بعد جماعت کے دوسرے لوگ بیعت کرنے لگے۔ اس وقت حضرت عباسؓ بن عبادہ انصاری نے پکار کر کہا:-

”صاحبو! خبردار رہو کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو، یہ بیعت عرب و عجم کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف ہے، خوب جان لو کہ ایسا وقت آ سکتا ہے کہ ہمارے شرفاء قتل ہوں، ہمارا مال برباد ہو جائے، ہماری عزت و ناموس خطرے میں پڑ جائے۔ اس وقت ایسا نہ ہو کہ مشکلات و مصائب کے ہجوم سے گھبرا کر تم محمد رسول اللہؐ کا ساتھ چھوڑ دو۔“

سب انصار نے بیک آواز کہا:- ”ہاں ہاں ہم سب خطرات کو دیکھ کر بیعت کر رہے ہیں۔“

اس کے بعد حضرت اسعدؓ بن زرارہ سامنے آئے اور کہا ”اے محمد (ﷺ) آپ اپنے رب کے لیے جو چاہیں مانگیں، پھر اپنے لیے اور اپنے صحابہ کے لیے پھر بتائیں ہم کو خدا سے اور آپ سے اس کا کیا اجر ملے گا؟“

حضور ﷺ نے فرمایا:- ”تم سے خدا کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لیے اور اپنے صحابہ کے لیے یہ چاہتا ہوں کہ ہم کو پناہ دو۔ مدد کرو اور جس طرح اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو، ہماری بھی کرو۔“

سوال ہوا۔ ”یا رسول اللہ! اگر ہم یہ سب کام کریں تو اس کا صلہ ہمیں کیا ملے گا۔“
حضور ﷺ نے فرمایا: ”جَنَّتْ“

حضور ﷺ کا جواب سن کر انصار کے قلوب ایمان و یقین کے نور سے مُتَوَر ہو گئے اور وہ بولے۔ ”تو جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم اس کے لیے راضی ہیں۔“ اس کے بعد سب یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کی بیعت سے مُشْرِف ہو گئے۔

اس بیعت کو تاریخ میں بیعتِ لیلۃ العقبہ، بیعتِ عقبہ ثانیہ، بیعتِ عقبہ کبیرہ مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہ بیعت تاریخ اسلام میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ واقعی یہ عرب و عجم اور جن و انس سے جنگ کرنے کی بیعت تھی۔ اس وقت سرزمینِ عرب کا ذرہ ذرہ علمبردارانِ حق کے خون کا پیاسا تھا۔ عرب کے کسی قبیلے کو جرأت نہ تھی کہ وہ فدائیانِ اسلام کی حمایت کا اعلان کرے۔ اس وقت ارضِ یثرب کے یہ مقدس انسان اٹھے اور انہوں نے محض رضائے الہی کی خاطر اپنی جانوں اپنے مالوں اور اپنی اولادوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا۔ جب عرب کا گوشہ گوشہ ذاتِ رسالتِ مآب کو پناہ دینے سے انکاری تھا اس وقت مدینہ کے ان جلیل القدر فرزندانوں نے بھدِ عجز و نیاز سرورِ کائنات فخرِ موجودات سے استدعا کی کہ وہ اپنے قدومِ میمنتِ لزوم سے ارضِ یثرب کو مُشْرِف فرمائیں۔ اپنے آقا ﷺ سے جو بیان انہوں نے اس مقدس رات کو باندھا اسے انہوں نے واقعی اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کے ساتھ نباہا اور کائنات کی مقدس ترین ہستی ﷺ نے بھی عالمِ فانی سے روپوش ہونے تک اہلِ یثرب کا ساتھ نہ چھوڑا، تاریک ترین ایام میں بھی اور غلبہ و نصرت کے وقت بھی۔

مبارک تھیں وہ ہستیاں جنہوں نے یہ مقدس بیان وفا باندھا۔

انصار کے بارہ ۱۲ انقیب

بیعت کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ سے فرمایا: ”موئیں نے

بنی اسرائیل کے بارہ نقیب منتخب کیے تھے۔ تم بھی دینی امور کی حفاظت کے لیے اپنے بارہ نقیب منتخب کر لو۔“ چنانچہ مومنین مدینہ نے بارہ نقباء اتفاق رائے سے منتخب کر لیے۔ ان میں سے نو قبیلہ خزرج اور تین قبیلہ اوس کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

قبیلہ خزرج

- ۱- حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ
- ۲- حضرت عبداللہ بن رواحہ
- ۳- حضرت براء بن معرور
- ۴- حضرت سعد بن عبادہ
- ۵- حضرت رافع بن مالک بن عجلان
- ۶- حضرت عبادہ بن صامت
- ۷- حضرت سعد بن ربیع
- ۸- حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام
- ۹- حضرت منذر بن عمرو

قبیلہ اوس

- ۱۰- حضرت اسید بن حنظلہ
- ۱۱- حضرت سعد بن خثیمہ
- ۱۲- حضرت ابوالہیثم بن العتبان

یہ سب حضرات رئیس القبائل تھے اور اپنے اثر و رسوخ نیز اللہ اور رسول ﷺ سے والہانہ شیعگی کی وجہ سے اسلام کے قومی دست و بازو ثابت ہوئے۔ حضرت اسعد بن زرارہ، سعد بن عبادہ اور اسید بن حنظلہ کے مختصر حالات پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں۔ باقی حضرات کے اجمالی حالات نیچے درج کیے جاتے ہیں ان سے ان کی عظمت کردار اور جذبہ ایثار کی

ایک ہلکی سی جھلک دیکھی جاسکے گی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ

بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ دربار رسالت کے تین شاعروں میں سے ایک تھے (دوسرے دو حضرت حسان بن ثابت اور کعب بن مالک تھے) بیعت عقبہ ثانی کے بعد بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔ تمام غزوات نبویؐ اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔ غزوہ موتہ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کے فضل و کمال جو شایمان شوقی جہاد اور جذبہ ایثار سے تاریخ و سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

حضرت براء بن معرور

ابو بشر براء بن معرور بیعت عقبہ کبیرہ کے بعد بنو سلمہ کے نقیب بنائے گئے۔ نہایت سلیم الفطرت تھے۔ کعبہ اللہ کے قبلہ مقرر ہونے سے پہلے ہی اس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ہجرت نبویؐ سے ایک مہینہ قبل داعی اجل کو لبیک کہا۔ ہجرت کے بعد حضور ﷺ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑی۔

حضرت رافع بن مالک

انصار مدینہ میں ان کا درجہ نہایت بلند ہے۔ خزرج کی ان چھ مقدس ہستیوں میں شامل تھے جو سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔ اس کے بعد بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانی میں شامل ہوئے۔ ان کو بنو زریق کا نقیب بنایا

گیا۔ جنگِ اُحد میں داؤدِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔

حضرت عبادہ بن صامت

ابوالولید عبادہ بن صامت انصار کے سابقونِ اولون میں سے ہیں۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ اور بیعتِ عقبہ ثانی میں شامل تھے۔ مؤخر الذکر بیعت کے بعد بنو قوافل کے نقیب منتخب ہوئے۔ غزوہ بدر میں نہایت پامردی سے لڑے۔ بیعتِ رضوان میں بھی شریک تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمان افواجِ شام پر حملہ آور ہوئیں تو حضرت عبادہ بن صامت بھی ان میں شریک تھے۔ عہدِ فاروقی میں جہادِ مصر میں نمایاں حصہ لیا۔ قرآنِ کریم کے حافظ تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے قرآن کی قراءت اور کتابت سیکھی۔ اشاعتِ حدیث میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ کتبِ احادیث میں ان سے ۱۸۱ حدیثیں مروی ہیں۔ علمِ فقہ میں کمال حاصل تھا۔ نہایت حق گو اور شجاع تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ارضِ شام میں وفات پائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام

ابوجابر عبداللہ قبیلہ سلمہ (خزرج) کے رئیس تھے۔ بیعتِ عقبہ ثانی میں حضرت براءؓ بن معرور کے ساتھ ان کو بھی بنو سلمہ کا نقیب بتایا گیا۔ جنگِ بدر میں والہانہ جوش کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے بعد جنگِ اُحد میں نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوئے اور سب سے پہلے جامِ شہادت پیا۔ جنگ کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ کے جنازے پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے تھے۔ شہادت کے چھ ماہ بعد ان کی لاش ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کی گئی تو جسم صحیح سالم تھا۔ اس کے ۴۶ برس بعد سیلاب سے ان کی قبر کھل گئی تو جسم کی حالت بدستور تھی۔ ان کے صاحبزادے حضرت جابرؓ کا شمار

بھی جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت سعد بن ربيع

بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانی دونوں میں شرکت کی۔ عقبہ ثانی کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔ نہایت غنی اور مخلص تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صحابہ میں مواخاۃ قائم کی تو سعدؓ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کے بھائی بنائے گئے۔ اس موقع پر سعدؓ نے خلوص اور ایثار کا عظیم المثال مظاہرہ کیا۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ اپنے نصف مال و اسباب کے علاوہ انہوں نے حضرت عبدالرحمنؓ کو پیشکش کی کہ اگر وہ چاہیں تو ان کی ایک بیوی سے نکاح کر سکتے ہیں جسے وہ طلاق دے دیں گے۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے ان کی پیشکش قبول نہ کی تاہم ان کو بہت بہت دعائیں دیں۔ حضرت سعدؓ گورسول اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت تھے۔ جنگ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے لیکن جنگ احد میں بڑی جانبازی سے لڑے اور زخموں سے چور چور ہو کر گر پڑے۔ جنگ کے بعد سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

”کوئی ہے جو سعد بن ربيعؓ کی خبر لائے!“

حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا:۔ ”یا رسول اللہ! میں جاتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں گئے..... لاشوں کے درمیان پھر کر سعدؓ بن ربيعؓ کو پکارتے تھے لیکن کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ آخر انہوں نے باؤاڑ بلند پکارا:

”سعد اگر زندہ ہو تو جواب دو، مجھے رسول اللہؐ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔“

اس وقت حضرت سعدؓ بن ربيعؓ کا دم واپس نہیں تھا۔ رسول اللہؐ کا نام سنا تو اپنے اندر ایک

توانائی سی محسوس کی۔ روح و جسم کی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے نحیف سی آواز میں جواب دیا:

”میں مردوں میں ہوں رسول کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں میرا سلام

عرض کرنا اور میرے انصار بھائیوں سے کہنا کہ اگر خدا نخواستہ آج کفار نے

شیعہ رسالت ﷺ و بھادیا اور تم میں سے ایک بھی زندہ بچا تو خدا کو ہرگز منہ نہ دکھا سکو گے۔ بیعت عقبہ میں تم نے رسول اللہ ﷺ پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا۔“

یہ کہا اور بچی لے کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔

حضرت اُبی بن کعب نے عاشق رسولؐ کا پیغام حضورؐ تک پہنچایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”خداوند کریم سعد پر رحم کرے زندگی اور موت دونوں میں اللہ اور اللہ کے رسول کے ہی خواہ رہے۔“

ایک صحابی سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملنے گئے تو وہ ایک ننھی سی بچی کو اپنے سینے پر بٹھائے ہوئے تھے اور نہایت محبت سے اسے بار بار چومتے تھے اور پیار کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا یہ لڑکی کون ہے۔ فرمایا یہ سعد بن ربیع کی لڑکی ہے۔ اسے (سعد کو) اللہ نے بہت بلند درجہ عطا کیا۔ قیامت کے دن وہ سرورِ کائنات ﷺ کے نقیبوں میں شمار کیا جائے گا۔

حضرت منذر بن عمرو

حضرت منذر بن عمرو عقبہ ثانی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ کے ساتھ بنو ساعدہ کے نقیب مقرر ہوئے۔ نہایت متقی اور عابد و زاہد تھے۔ عربی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جنگ بدر اور احد میں والہانہ جوش

”الاصابہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت سعدؓ کی صاحبزادی ام سعید ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے اپنی چادر بچھا دی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟“ فرمایا۔ ”یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو ہم دونوں سے بہتر تھا۔“ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ ”یا خلیفہ رسول اللہ وہ کیسے؟“ صدیق اکبرؓ نے جواب دیا۔ ”وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ بابرکت میں جنت کو سدھارا اور ہم تم ہمیں باقی رہ گئے۔“

کے ساتھ شریک ہوئے۔ برِ معونہ میں جامِ شہادت پیا اور ”اعتق لیموت“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سانحہ برِ معونہ تاریخِ اسلام کا ایک نہایت دردناک واقعہ ہے۔ اس دلگداز واقعہ کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

جنگِ اُحُد کے کچھ عرصہ بعد نجد کے قبیلہ بنی عامر کا ایک شخص ابوراء عامر بن مالک کچھ آدمیوں کا ایک وفد بنا کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا ہمارے علاقہ کے لوگ دینِ حق کی طرف مائل ہیں ان میں تبلیغ کرنے اور تعلیم دینے کے لیے کچھ آدمی ہمارے ساتھ بھیجے۔ ابوراء کا بھتیجا نجد کا حاکم تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”مجھے اندیشہ ہے میرے آدمیوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔“

ابوراء نے اطمینان دلایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا ہم لوگ بنی عامر کے رئیس ہیں کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے مہمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ کی ایک جماعت حضرت منذر بن عمرو انصاری کی زیرِ قیادت ابوراء کے ہمراہ کردی اور عامر بن طفیل رئیس نجد کے نام ایک مکتوب روانہ کیا جس میں اسے دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ یہ ستر صحابہ کرام ”قراء“ کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ سب قرآنِ حکیم کے حافظ تھے۔ ان میں زیادہ تعداد انصاری تھی اور مہاجرین چند ایک ہی تھے۔ یہ حضرات مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر برِ معونہ پہنچے جو بنی عامر کا علاقہ تھا۔ یہاں سب نے قیام کیا۔ حضراتِ حرام بن ملحان انصاری نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوبِ مبارک ہاتھ میں لیا اور دو ساتھیوں کو ہمراہ لے کر اسے عامر بن طفیل کو پہنچانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ ہمارے واپس آنے تک یہاں ہی ٹھہریں۔ یہ تینوں بندگانِ حق جب حاکمِ نجد کی قیام گاہ کے قریب پہنچے تو حضرت حرام بن ملحان نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم بھی ٹھہر جاؤ اگر کوئی فریب نہ ہوا تو تم بھی آ جانا ورنہ بھاگ کر اپنے ساتھیوں کو خبر کر دینا۔

حضراتِ حرام بن ملحان نے جب عامر بن طفیل کو تلہ نبوی دیا تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ اس نے قبیلہ کے ایک شخص جبار بن سلمیٰ کو اشارہ کیا اس نے حضرت حرام کی پشت

کی طرف ہو کر ایک ایسا نیزہ مارا جو ان کے جسم کے پار نکل گیا۔ حضرت حرامؓ نے خون کا مچکھڑا کر چہرہ اور سر پر چھڑکا اور فرمایا فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ (رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا) حضرت حرامؓ کے دوسرے دو ساتھیوں میں سے ایک تو پہاڑ میں چھپ رہے کیونکہ ایک ٹانگ میں لنگ ہونے کی وجہ سے تیز نہیں چل سکتے تھے۔ دوسرے نے باقی مسلمانوں کو اطلاع دی۔ حضرت منذرؓ بن عمرو اور عمروؓ بن امیہ ضمری اونٹ چرانے قیام گاہ سے دور گئے ہوئے تھے۔ دوسرے مسلمان فوراً موقع پر پہنچے۔ عامر بن طفیل کے اشارے سے دوسرے قبائل (رحل و ذکوان) کے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ ان سب نے مل کر ان مقدس ہستیوں کو گھیر لیا اور سب کو شہید کر دیا۔ بجز حضرت کعب بن زیدؓ کے جو سخت زخمی ہوئے اور دوسرے شہداء کی لاشوں کے نیچے دب گئے۔ کُفَّار نے انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ جب حضرت منذرؓ بن عمرو اور عمروؓ بن امیہ اونٹ چرا کر لوٹے تو انہوں نے آسمان پر گدھ اڑتے دیکھے۔ ادھر جا کر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا۔ رحل و ذکوان کے سوار خون آلود تلواریں لیے ان کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ ان دونوں جانبازوں نے بھی شوق شہادت میں تلواریں نکال لیں اور لاتعداد مشرکوں سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ حضرت منذرؓ تو لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمروؓ بن امیہ گرفتار ہو گئے۔ عامر کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ اس نے یہ منت پوری کرنے کے لیے انہیں چھوڑ دیا۔

حضور ﷺ کو جب اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ملی تو بہت صدمہ ہوا اور آپ نے ایک مہینہ تک بزدل قاتلوں کے حق میں بددعا کی۔ حضور منذرؓ بن عمرو کے متعلق فرمایا اعطی لیموت اس نے موت کی طرف سبقت کی۔

۔ کشنگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

حضرت سعد بن خیشمہ

سعد نام ابو خیشمہ کنیت اور خیر لقب تھا۔ یعیض عقبہ ثانی میں انہیں بنی عمرو بن عوف

کا نقیب منتخب کیا گیا۔ ہجرت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں حضرت کلثومؓ بن الہدم کے ہاں قیام فرمایا لیکن عام لوگوں سے ملاقات کے لیے حضور ﷺ حضرت سعد بن خثمہؓ کے گھر تشریف لے آتے تھے۔ والد حضرت خثمہؓ بھی صحابی تھی۔

غزوہ بدر میں حضرت سعدؓ نے مشہور مشرک طعیہ بن عدی یا عمرو بن عبدود کے ہاتھوں اور غزوہ احد میں ان کے والد حضرت خثمہؓ نے ہیرۃ بن ابی وہب کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔

حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان

حضرت ابوالہیثمؓ مالک بن التیہان زمانہ جاہلیت ہی میں توحید کے قائل ہو گئے تھے۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانی دونوں میں شرکت کی۔ مؤخر الذکر بیعت کے بعد حضرت اسیدؓ بن حفیر کے ساتھ بنو عبد الأشہل کے نقیب مقرر ہوئے۔ وہ تمام غزوات نبویؐ میں شریک ہوئے۔ اسلام کے جانناز سپاہی تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی۔ ان کی اسی محبت کی وجہ سے سرور کائنات نے اپنی زبان مبارک سے ان کی تعریف فرمائی۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

ان بارہ نقباء کا انتخاب ہو چکا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”تم اپنی آبادی کے اسی طرح ذمہ دار ہو جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ کے حواری ذمہ دار تھے۔ اپنی قوم کا میں ذمہ دار ہوں جب تک کہ تمہارے پاس ہجرت نہ کراؤں ابھی اللہ نے ہجرت کا حکم نہیں دیا۔“

سارے نقباء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر آمنا و صدقہٗ قنا کہا۔

قریش کی تلملاہٹ

جب یہ سارے معاملات طے ہو رہے تھے۔ قریش کے ایک جاسوس کے کانوں میں باتوں کی بھنک پڑ گئی۔ وہ زور سے پکارا۔ ”اے اہل مکہ یہ بے دین تم سے لڑنے کے مشورے کر رہے ہیں۔“

حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا۔ ”اب تم اپنی قیام گاہ کو لوٹ جاؤ۔“
حضرت سعد بن عبادہ کو جوش آ گیا بولے ”اگر آپ اجازت دیں تو خدا کی قسم ہم کل ہی اہل مکہ کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔“
”حضور ﷺ نے فرمایا: ”نہیں ابھی ہمیں جنگ کا حکم نہیں۔“

غرض انصار اپنے خیموں میں واپس آئے اور ابھی کچھ رات باقی تھی کہ سب مدینہ کی طرف چل پڑے صرف دو بزرگ حضرت سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔

جب صبح ہوئی تو رؤسائے قریش اہل یثرب کے خیموں میں آئے اور ان سے کہا۔ ”تم لوگوں نے رات کو ہمارے خلاف لڑنے کے منصوبے بنائے ہیں حالانکہ ہم تم سے لڑنا بہت برا سمجھتے ہیں۔“

یہ سب مشرک تھے اور انہیں اپنے پیڑ بی ساقیوں کی بیعت کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر رؤسائے قریش کو یقین دلایا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور تم سے کسی نے غلط بیانی کی ہے۔ رؤسائے قریش واپس چلے گئے لیکن ان کے جاسوس چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اب انہوں نے ان مخصوص آدمیوں کی تلاش شروع کر دی جن کے مسلمان ہونے کا انہیں یقین تھا۔ دوسرے لوگ تو نکل چکے تھے حضرت سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو ان کے ہاتھ آ گئے۔ منذر تو کسی طرح ان کی گرفت سے آزاد ہو گئے مگر

- ۱۔ قریش اہل مدینہ کو ان کے زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے۔
- ۲۔ حضرت سعد کا بیان ہے کہ میں نے ایک سرخ و سپید خوش صورت آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھا اور خیال کیا کہ یہ شخص رحمل اور معقول معلوم ہوتا ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت سعد بن عبادہ کو انہوں نے ان کے کجاوے کے تسموں سے باندھ دیا اور بال کھینچ کھینچ کر زد و کوب کرتے ہوئے مکہ لائے۔ جو مشرک آتا انہیں مارتا بیٹتا اور ان کے لمبے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹتا تھا۔ آخر ایک مشرک کو رحم آ گیا اس نے ان سے پوچھا ”کیا مکہ میں تمہاری کسی سے شناسائی ہے؟“

حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ تجارت کے لیے وقتاً فوقتاً شرب جاتے ہیں وہ مجھے جانتے ہیں۔

اس شخص نے کہا۔ ”ان دونوں کا نام لے کر زور زور سے پکارو۔“

حضرت سعدؓ نے ایسا ہی کیا۔ دوسری طرف اس شخص نے ان دونوں سے جا کر کہا کہ سعد بن عبادہ نامی ایک یثربی بری طرح پٹ رہا ہے اور تمہارے نام کی دہائی دے رہا ہے۔ وہ بولے: ”غضب ہو گیا سعد بن عبادہ تو خزعرجہ کے رئیس اعظم ہیں اور وہ ہم سے بڑی مروت سے پیش آیا کرتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے اور انہیں اشقیاء کے ہنچہ ستم سے نجات دلائی۔ یہاں سے رہا ہو کر وہ نہایت تیز رفتاری سے اپنے ساتھیوں سے جا ملے جو انہیں چھڑانے کے لیے مکہ واپس جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔



(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شاید مجھے اس عذاب سے نجات دلانے لیکن اس نے پاس آ کر میرے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ میرا منہ پھر گیا۔ میں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سب نامعقول اور سیاہ باطن ہیں۔ تھپڑ مارنے والے یہ صاحب سہیل بن عمرو تھے جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے اور طویل القدر صحابہ میں شمار ہوئے۔

سرورِ عالم ﷺ کی ہجرت

جور و ستم کا ہولناک طوفان

فضائے مکہ پر مشرکین قریش کے زہرہ گداز جور و ستم اور شقاوت کی تیرہ وتار گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ شہر کا ہر پیر و جوان علمبردار ان حق کے خون کا پیاسا بنا ہوا تھا۔ انسان نما درندے منہ پھاڑے خدائے واحد کے پرستاروں کو کھا جانے پر تلے بیٹھے تھے۔ نبوت کے ابتدائی تیرہ سالوں میں کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو مشرکین مکہ نے فرزندِ ان توحید پر نہ توڑا ہو لیکن اس تیرہ وتار فضا اور جور و ستم کے بحرِ ملامت میں سرورِ عالم ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ مستحکم چٹان بن کر کھڑے تھے۔ اہلِ یثرب پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ اے رحمتِ مجتہم تشریف لائیے ہمارے دیدہ و دل آپ کے لیے فرشِ راہ ہیں۔ قبیلہ دوس کا مضبوط قلعہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ ہادیِ اعظم تشریف لائیے، میرے قبیلہ کا بچہ بچہ کٹ مرے گا لیکن کسی مشرک کو میرے دروازے سے نہیں گزرنے دے گا۔ لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے..... خاموش اور حکم ایزدی کے منتظر..... بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو جو سالہا سال سے کفارِ مکہ کی مشقِ ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے، اجازت دے دی کہ وہ یثرب چلے جائیں۔ چنانچہ بیشتر صحابہ

۱۔ قبیلہ دوس کے رئیس حضرت طفیل بن عمروؓ نے دعوتِ حق کے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے پاس ایک مضبوط قلعہ تھا۔ مشرکین قریش کی ایذا رسانیوں کو دیکھ کر حضرت طفیلؓ نے حضورؐ سے استدعا کی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں، قبیلہ دوس کا بچہ بچہ کٹ مرے گا لیکن آپ پر کوئی آج نہ آنے دے گا لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ میں حکمِ الہی کے بغیر کہیں نہیں جاسکتا۔

اپنے گھربار، مال و جائداد اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر محض رضائے الہی کی خاطر ہجرت کر کے یثرب چلے گئے۔ مشہور صحابہ میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ ہی مکہ میں رہ گئے اور یا وہ مفلس اور کمزور مسلمان جنہیں قرآن کریم میں ”مستضعفین“ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ آخر چند دن بعد وہ وقت بھی آ گیا کہ عزیز و ان فخر موجودات بھی سب انبیاء کے مطابق غریب الوطنی اختیار کریں۔ ستانے والوں نے جلد ہی خود اس کا سامان مہیا کر دیا۔

کُفَّارِ مکہ کی نایاک سازش

جب مشرکین مکہ کے جو رستم اور مظالم و شدائد کے سب حربے ناکام ہو چکے تو انہوں نے آخری فیصلہ کے لیے ایک عظیم مجلس مشاورت منعقد کی۔ ۱۳ نبوت کے ماہ صفر کی آخری تاریخیں تھیں جب قحطی بن کلاب کے تاریخی مکان ”وارلندہ“ میں تمام اشقیاء نمائندے جمع ہوئے۔ ان میں ابوسفیان بن حرب، ابوجہل، ابولہب، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، طعیمہ بن عدی، زمعہ بن اسود، ابوالنضر بن ہشام اور حارث بن عامر جیسے رؤسائے قریش بھی شامل تھے۔ نجد کا ایک پیر کہن سال اس مجلس کا صدر چنا گیا اور اجتماع کی کارروائی شروع ہوئی۔ نضر بن حارث نے اٹھ کر بڑے جوش سے کہا۔ ”محمد (ﷺ) کو طوق و سلاسل میں پابند کر کے ایک کوٹھڑی میں محبوس کر دو اور کھانے پینے کے لیے مطلق کچھ نہ دو، بھوک پیاس اور قید و بند کے مصائب خود بخود اس کا خاتمہ کر دیں گے۔“

نجدی پیر فرقت نے کہا۔ ”تجویز تو معقول ہے لیکن مجھے خدشہ ہے کہ اس قسم کا اقدام خانہ جنگی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا کیونکہ بنو ہاشم اور ”خود ساختہ خدائے واحد“ کے پرستار محمد (ﷺ) کو چھڑانے کی کوشش کریں گے اور ہم یقیناً ان سے بھڑ جائیں گے۔“

اب امیہ بن خلف اٹھا اور اس نے کہا

”نضر کی تجویز سے مجھے بھی اختلاف ہے بہتر یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کو زبردستی

مکہ سے نکال دیا جائے۔ نہ وہ یہاں ہوگا نہ فتنہ پھیلے گا۔“
صدر مجلس نے اس تجویز کو بھی پُر خطر کہہ کر رد کر دیا۔

اب مکہ کا شیطانِ اعظم عمرو بن ہشام (ابو جہل) اٹھا اور اس نے کہا:۔
”میری رائے میں ہر قبیلے سے ایک جنگجو چنا جائے۔ یہ سب جنگجو تلواریں
لے کر بیک وقت محمد (ﷺ) پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح کسی ایک شخص یا قبیلہ
پر اس کے قتل کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی اور بنو ہاشم میں یہ طاقت کہاں کہ وہ
تمام قبائل کی متحدہ قوت کا مقابلہ کر سکیں، زیادہ سے زیادہ وہ خون بہا کا مطالبہ
کریں گے اس کا ادا کرنا ہمارے لیے چنداں مشکل نہیں۔“

بوڑھے شیطان اور دوسرے لوگوں نے ابو جہل کی تجویز سے اتفاق کیا اور اس پر واہ وا
کے ڈوگرے برسائے۔ اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ سارے قبیلوں کے چیدہ چیدہ جنگجورات کو
کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر لیں اور جب محمد (ﷺ) باہر نکلیں تو سب تلواریں لے کر ان پر
ٹوٹ پڑیں۔

ہجرتِ نبوی ﷺ

جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ سازش ہو رہی تھی تو جناب
عبدالمطلب کی بھتیجی رقیقہ بنتِ صفیٰ کہیں پاس ہی کُفار کی باتیں سن رہی تھیں وہ دوڑی دوڑی
سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور آپ ﷺ کو کُفار کے عزائمِ بد سے مطلع کر
دیا۔ ادھر جبریل امین بھی تشریف لا چکے تھے اور حضور ﷺ کو حکم الہی سنا دیا تھا کہ مکہ
سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی اجازت ملتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان
پر تشریف لے گئے اس وقت شدت کی گرمی پڑ رہی تھی اور دھوپ سے بچنے کے لیے
حضور ﷺ نے سر پر چادر ڈال رکھی تھی۔ اس سے پہلے حضور ﷺ بالعموم دن میں دوبار
حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن دوپہر کے وقت کبھی

قدم رنجہ نہ فرمایا تھا اس لیے حضرت ابو بکرؓ سمجھ گئے کہ ضرور کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے۔ انہوں نے بڑے تپاک سے حضور ﷺ کا خیر مقدم کیا اور آپ کو ایک چوبی تخت پر بٹھا کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے اور میں عازم یثرب ہونے والا ہوں۔“ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پوچھا ”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا مجھے بھی معیت کا شرف حاصل ہو گا۔“ ارشاد ہوا ”ہاں“ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ فرط مسرت سے اشک بار ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ جو اس وقت کمن تھیں، فرماتی ہیں: ”کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ کوئی شخص خوشی سے بھی روتا ہے اس دن اپنے والد محترم کو روتے دیکھا تو یہ بات معلوم ہوئی۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اس دن کا کئی ماہ سے انتظار تھا۔ انہوں نے سفر ہجرت کے لیے دو فریہ اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ محسن عالم ﷺ نے اس شرط پر قبول کر لی کہ حضرت ابو بکرؓ کو اس کی قیمت لینی ہوگی۔ اس کے بعد حضور ﷺ اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی دن (یا بروایت دیگر دو تین روز بعد) حضرت علیؓ کرّم اللہ وجہہ کو بلا کر فرمایا کہ اے علی! مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ آج رات میں یہاں سے یثرب کی طرف روانہ ہو جاؤں گا لیکن مجھے لوگوں کی امانتوں کی فکر ہے۔ تم میرے بچھونے پر میری سبز چادر اوڑھ کر لیٹ جانا ان شاء اللہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ صبح کو تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر کے تم بھی یثرب پہنچ جانا۔

رات کو کفار نے کاشانہ اقدس کے گرد گھیرا ڈال لیا کچھ رات گئے حضور ﷺ سورۃ یسین کی آیتیں پڑھتے ہوئے کفار کے درمیان سے نکل گئے۔ ان آیتوں میں سے ایک یہ ہے۔
وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًا فَأَعْشَيْنَهُم فَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ۔
(۹:۳۶)

ترجمہ: (اور ہم نے ان کے سامنے اور پیٹھ پیچھے سے ایک دیوار حائل کر دی کہ وہ کچھ نہیں دیکھ پاتے تھے)

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ایسا بے خبر کیا کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ ہی نہ سکے۔

حضور ﷺ یہاں سے نکل کر حضرت صدیق اکبرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ پہلے ہی سراپا انتظار بیٹھے تھے۔ جلد جلد سفر کی تیاری کی۔ ان کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ نے دو تین دن کا کھانا تیار کر رکھا تھا۔ کھانا اور پانی کا برتن باندھنے کے لیے کوئی کپڑا نہ ملا تو جلدی سے اپنے کمر بند (بٹاق) کے دو ٹکڑے کیے ایک سے پانی کے مشکیزے کا منہ باندھا اور دوسرے میں کھانا لپیٹا۔ اسی دن سے وہ ذات الطہاتین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام اندوختہ بھی ہمراہ لے لیا کہ غریب الوطنی میں کام آئے گا۔ رات کے پچھلے پہر سرور کائنات ﷺ اپنے رفیق صادقؓ کے ہمراہ مکہ سے نکلے اور تین چار میل چل کر غار ثور میں قیام فرمایا: غار ثور میں قیام فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ کفار کے تعاقب کا خدشہ تھا۔ یہ ایک پرانا غار تھا اور اس میں حشرات الارض کے میسوں سوراخ تھے۔ رسول کریم ﷺ تھک گئے تھے۔ غار میں پہنچ کر صدیق اکبرؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ غار میں داخل ہوتے وقت صدیق اکبرؓ نے اپنی چادر بھاڑ کر تمام سوراخ بند کر دیے تھے صرف ایک سوراخ باقی رہ گیا تھا جس کے لیے کپڑا نہ بچا تھا۔ رسول کریم ﷺ جب استراحت فرما ہوئے تو صدیق اکبرؓ نے اس سوراخ کے آگے اپنا پاؤں رکھ دیا۔ یہ سوراخ ایک سانپ کا بل تھا۔ اس نے باہر کا

۱۔ ابوالاثر حفیظ جالندھریؒ نے اس موقع کا نقشہ ان اشعار میں کھینچا ہے۔

ازادہ کر لیا جب سرورِ عالمؐ نے جانے کا	تو دیکھا راستہ مسدود ہے گھر سے نکلنے کا
دروازوں میں جھانکا ہر طرف گہرا اندھیرا تھا	مگر پہرے کھڑے تھے گھر کو جلاؤں نے گھیرا تھا
اندھیرے میں چمک اٹھی تھیں بجلی کی طرح دھاریں	نظر آیا کہ ہیں ہر سمت تلواریں ہی تلواریں
یہ آدمی رات کا عالمؐ یہ ہیبت ناک نظارہ	مگر ڈرتا نہ تھا باطل سے وہ اللہ کا پیارا
وہ دڑاتا ہوا وحدت کا دم بھرتا ہوا نکلا	بلاوت سورۃ یٰسین کی کرتا ہوا نکلا
گری برق نظر اس مجمع قاتل کی آنکھوں پر	کہ پٹی خیرگی کی بندھ گئی باطل کی آنکھوں پر
کبھی ہی رہ گئیں خوزیر و خون آشام شمشیریں	کسی نے کھینچ دی ہوں جس طرح کاغذ کی تصویریں

خدا نے خاکِ غفلت و ال دی کفار کے سر میں

رسولِ پاکؐ پہنچے حضرت صدیقؓ کے گھر میں

راستہ بند پا کر صدیق اکبرؓ کے پاؤں کے انگوٹھے میں کاٹ کھایا۔ شدت درد سے صدیق اکبرؓ کے آنسو نکل آئے لیکن انہوں نے غار کے منہ سے پاؤں ہٹانا گوارا نہ کیا کہ مبادا سانپ باہر نکل کر حضور ﷺ کو بھی ضرر پہنچائے۔ صدیق اکبرؓ کے آنسو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخ اقدس پر پڑے تو آپ ﷺ جاگ پڑے پوچھا ابو بکر کیا ہوا؟ عرض کی ”یا رسول اللہ مجھے سانپ نے ڈس لیا۔“ سرور عالم ﷺ نے اسی وقت زخم پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آنا فانا زہر کا اثر دور کر دیا۔

دوسری طرف مشرکین ساری رات کاشانہ نبوتؐ کا محاصرہ کیے پڑے رہے۔ دروازے کی درزوں سے جھانک کر دیکھتے تھے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو سرور کائنات ﷺ سمجھ کر ان کے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔ صبح ہوئی تو رسالت مآب ﷺ کی بجائے علی المرتضیٰ بستر سے اٹھے۔ کُفار سخت شیشائے حضرت علی مرتضیٰ کو پکڑ لیا اور زد و کوب کرنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے کچھ نہ بتایا۔ آخر تھوڑی دیر خانہ کعبہ میں محبوس رکھ کر انہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کُفار صدیق اکبرؓ کے مکان پر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ باہر نکلیں۔ ابو جہل نے خشم آلود لہجے میں پوچھا، لڑکی حیرا باپ کہاں ہے؟ حضرت اسماءؓ نے جواب دیا۔ ”مجھے معلوم نہیں۔“

ابو جہل کو سخت غصہ آیا۔ اسے یقین تھا کہ ابو بکرؓ کی بیٹی بناوٹ سے کام لے رہی ہے۔ فرط غضب میں اس نے حضرت اسماءؓ کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ان کے چہرے پر انگلیوں کے نشان جم گئے اور کان کی بالی گر گئی لیکن انہوں نے اُف تک نہ کی۔ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے اب سرگرمی سے سرور کائنات ﷺ اور صدیق اکبرؓ کی تلاش شروع کر دی۔ تلاش کرتے کرتے غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے۔ جب ان کی باتوں کی آواز حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سنی تو بہت مضطرب ہوئے اور کہا ”یا رسول اللہ! دشمن ہمارے سر پر پہنچ گئے۔“ حضور ﷺ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

(مت غم کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے) لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

خدا کی قدرت کہ غار کے منہ پر ایک کڑی نے جالاتن دیا تھا اور جنگی کبوتروں کے

ایک جوڑے نے غار کے منہ کے قریب گھونسلنا بنا کر انڈے سینے شروع کر دیئے تھے۔ کفار نے پہلے ارادہ کیا کہ غار کے اندر جائیں لیکن مکڑی کا جالا اور کبوتروں کا گھونسلنا دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ غار کے اندر کوئی شخص نہیں گیا۔ چنانچہ وہ بے نیل مرام واپس چلے گئے اور مکہ پہنچ کر ابو جہل، امیہ بن خلف اور دوسرے عمائد قریش نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد ﷺ کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سواونٹ بطور انعام دیے جائیں گے۔

غار ثور میں سرور کائنات ﷺ اور صدیق اکبرؓ تین دن رات مقیم رہے۔ حضرت عامر بن فہیرہ جو صدیق اکبرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے بکریاں چراتے چراتے شام کو غار کے منہ پر لے آتے اور ان کا دودھ دوہ کر خدمت اقدس میں پیش کرتے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ اپنی بہن اسماء کے ہمراہ رات کو چوری چوری رسول اکرم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کو کھانا پہنچا آتے اور دن بھر کی خبریں بھی بتا آتے۔

تین دن کے بعد دونوں مراد ﷺ اور مرید غار سے نکلے۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ نے وہ فرہ اور تیز رفتار سانڈ نیاں غار کے منہ پر لا کھڑی کیں جو اسی مقصد کے لیے تیار کی گئی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقہ لیشی ایک غیر مسلم لیکن قابل اعتماد رہبر کو ساتھ لے کر اللہ کی ان مقدس ہستیوں نے ہجرت کے لیے سفر کا آغاز فرمایا۔ عبداللہ بن اریقہ کے مشورہ کے مطابق سیدھا راستہ چھوڑ کر ساحل بحر کلبا راستہ اختیار کیا گیا۔

مختلف کتب حدیث و سیر میں ہے کہ غار سے نکل کر پہلے ہی دن اس مقدس قافلے کا گزر قید کے مقام پر اُمّ معبدؓ عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمے پر ہوا۔ اُمّ معبدؓ اور ان کے خاوند ابو معبد حمیم اس خیمے میں رہتے تھے اور مسافروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ وہاں رونق افروز ہوئے تو ابو معبد تمام دودھ والی اور اچھی بکریاں لے کر چراگاہ کو گئے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ (یا حضرت ابو بکر صدیقؓ) نے اُمّ معبد سے پوچھا کہ تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ انہوں نے کہا۔ ”اگر ہوتی تو میں خود ہی حاضر کر

بعض ارباب سیر کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔

دیتی۔“ ایک کونے میں ایک لاغر بکری بندھی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے اُمّ معبد سے پوچھا کہ یہ بکری کیسی ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ بہت لاغر ہے اس لیے دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے کے لیے نہیں جاسکی۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کے دودھ ہے؟ اُمّ معبد نے کہا۔ نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو اس کا دودھ دوہ لوں۔ اُمّ معبد نے کہا۔ ”اگر یہ دودھ دے سکے تو بخوشی دوہ لیں۔“ حضور ﷺ نے دعا فرمائی پھر بسم اللہ کہہ کر اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا تو فوراً ان میں دودھ اتر آیا اور ایک بڑا برتن دودھ سے لبریز ہو گیا۔ حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے یہ دودھ پی لیا۔ دوسری مرتبہ بکری کو دودھ تو برتن پھر بھر گیا۔ یہ بھی حضور ﷺ اور آپ کے رفقاء نے پی لیا۔ تیسری مرتبہ برتن پھر دودھ سے پُر ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اسے اُمّ معبد کے لیے چھوڑ دیا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ابو معبد گھر آئے تو خیمے میں دودھ سے لبریز برتن دیکھ کر پوچھا۔ ”یہ کہاں سے آیا۔“ اُمّ معبد نے انہیں سارا واقعہ سنایا تو وہ بولے ”ذرا اس مسافر کا حلیہ تو بیان کرو۔“

اُمّ معبد نے بے ساختہ جواب دیا۔

”پاکیزہ صورت، کشادہ رو، خوش اخلاق، نہ پیٹ بڑھا ہوا نہ چندیا کے بال گرے ہوئے، وجیہ جمیل، آنکھیں سیاہ اور بڑی، بال لمبے اور گنجان، آواز میں بھاری پن، سیدھی گردن، روشن اور سرگیں آنکھیں، باریک دپیوستہ ابرو، خاموش، باوقار۔ دور سے دیکھنے میں سچیلے اور دلربا۔ قریب سے نہایت حسین اور شیریں، کلام، چچاٹلا، الفاظ ضرورت سے کم نہ زیادہ، گفتگو ایسی کہ موتی ہار میں پروئے ہوئے ہوں۔ میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے، نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرے۔“ (زاد المعاد)

ابو معبد بولے۔ ”یہ ضرور صاحب قریش ہے میں اس سے جا کر ملوں گا۔“

ایک روایت میں ہے کہ اُمّ معبد اسی موقع پر مُشرَفِ بِلّاسلام ہو گئی تھیں دوسری روایتوں میں ہے کہ وہ کچھ عرصہ بعد اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں اور دونوں میاں بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام و بیعت سے بہرہ یاب

ہوئے۔ ابن سعد نے یہ روایت مختلف طریقے سے بیان کی ہے۔ انہوں نے ”طبقات“ میں لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ اُمّ معبد کی قیام گاہ پر پہنچے تو انہوں نے ایک بکری ذبح کرنے کی غرض سے پیش کی جو دودھ دیتی تھی۔ حضور ﷺ نے اس کے تھن چھوئے اور فرمایا۔ ”اس کو ذبح نہ کرو“ اُمّ معبد دوسری بکری لائیں اور اس کو ذبح کر کے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا اور کچھ ساتھ بھی کر دیا۔

اُمّ معبد کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بکری کے تھن اپنے دست مبارک سے مس فرمائے تھے وہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت تک ہمارے پاس رہی۔ ہم اس کو صبح و شام دوہا کرتے تھے اور اس کا دودھ پیتے تھے۔

قریش مکہ کا انعامی اعلان سن کر قبیلہ بنو مدیج کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جحشم اپنی برق رفتار گھوڑی غوذ پر سرور کائنات ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ کسی نے اس کے کان میں بھنک ڈال دی کہ ساحل بحر کی طرف کچھ سائے دیکھے گئے ہیں اور عین ممکن ہے کہ یہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہوں۔ سراقہ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا اور اپنی گھوڑی سرپٹ دوڑاتا ہوا سرور کائنات ﷺ کے مقدس قافلے کے قریب جا پہنچا۔ صدیق اکبرؓ نے اسے دیکھ لیا اور عرض کیا۔ ”ذمن ہمارے سر پر آ پہنچا۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”گھبراؤ نہیں اللہ ہمارا حافظ و ناصر ہے۔“ عین اس وقت سراقہ کی گھوڑی نے ٹھوکر کھائی اور وہ نیچے آ رہا۔ شگون نیک نہیں تھا لیکن انعام کی ترغیب بھی بہت بڑی تھی پھر گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھنا چاہا۔ اب گھوڑی گھٹنوں گھٹنوں تک ریت کے اندر دھنس گئی۔ سراقہ کی ہمت پست ہو گئی گرڈ گرڈا کر کہا: ”یا محمد (ﷺ)! میری توبہ اب آپ کا تعاقب نہ کروں گا اور اگر کوئی دوسرا شخص آپ کے تعاقب میں آتا ملا تو اسے بھی واپس لے جاؤں گا۔ ازراہ کرم مجھے اس گرداب بلا سے نکال دے۔“

رحمت مجسم ﷺ نے سراقہ کے حق میں دعا مانگی اور اس کی گھوڑی ریت سے نکل آئی۔ سراقہ مرعوب ہو گیا اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک تیر پیش کر کے کہا:

”یا محمد (ﷺ) یہ میرا نشان ہے فلاں مقام پر میرے کچھ غلام میرے اونٹ چارہ ہوں گے۔ آپ کو جس قدر غلاموں اور اونٹوں کی ضرورت ہو وہاں سے بے تکلف لے جائیں اگر مزید زاد سفر درکار ہو تو وہ بھی مہیا کیے دیتا ہوں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا ”نہیں ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔“

سراقہ جلالِ نبوت سے ایسا مرعوب ہوا کہ اس نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ مجھ کو امان نامہ لکھ دیجیے۔ حضور ﷺ نے عامر بن فہرہ کو جو لکھتا جانتے تھے حکم دیا کہ امان نامہ لکھ دو۔ انہوں نے چڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ کر سراقہ کو دے دیا اور وہ واپس مکہ چلا گیا۔

ابو جہل کو کسی ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ سراقہ نے دانستہ محمد ﷺ کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ اس نے سراقہ کو ملامت کی۔ سراقہ نے اس کو بتایا کہ کاش تم میری اور میری گھوڑی کی حالت دیکھتے پھر تم مجھے ملامت نہ کرتے، بہتر یہ ہے کہ تم محمد ﷺ کو اپنے حال پر چھوڑ دو میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب وہ عروج حاصل کریں گے۔

بعض رواہتوں میں ہے کہ سراقہ کے علاوہ ایک شخص بریدہ اسلمی بھی اپنے قبیلہ کے ستر آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوا لیکن جب اسے حضور ﷺ سے

سراقہ بن مالک (بن جہشم) فتح مکہ کے موقع پر مُسَرَفِ باسلام ہوئے۔ اس وقت انہوں نے حضور کو اپنے ناکام تعاقب کا واقعہ یاد دلایا اور آپ کا عطا کردہ فرمانِ امن بھی پیش کیا۔ حضور متنبہ ہوئے۔ اس موقع پر رسولِ اکرمؐ نے ایک عظیم الشان پیشین گوئی فرمائی جس کی بدولت سراقہ کو تاریخِ اسلام میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ حضور نے سراقہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ”سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسری (شاہِ ایران) کے نکلن پہنچو گے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فی الحقیقت مستقبلِ قریب میں مسلمانوں کے فاتحِ ایران بننے کی پیشین گوئی تھی۔ جب عہدِ فاروقی میں ایران کے دارالسلطنت مدائن پر مسلمان قابض ہوئے اور کسری کے نکلن مالِ غنیمت میں مدینہ پہنچے تو فاروقِ اعظمؓ کو رسولِ اکرمؐ کا ارشاد یاد آ گیا۔ انہوں نے سراقہ کو اپنے سامنے بلایا اور کسری کے نکلن ان کے ہاتھوں میں پہنائے۔

بمکلام ہونے کا موقع ملا تو اتنا متاثر ہوا کہ اپنے ہمراہیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنی پگڑی نیزہ پر باندھ لی اور لوگوں کو حضور ﷺ کی آمد کی خوشخبری سنانے آگے چل دیا۔
 اثنائے راہ میں حضور ﷺ کو حضرت زبیر بن العوامؓ ملے جو شام سے تجارت کر کے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کی خدمت میں چند قیمتی (سفید) کپڑے پیش کیے۔

قُبَاء میں وُرُودِ مسعود

مدینہ منورہ میں کسی ذریعہ سے یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ سرور کونین ﷺ ارضِ یثرب میں تشریف لایا ہی چاہتے ہیں۔ تمام شہر ہمہ تن انتظار اور پیکرِ اشتیاق بنا ہوا تھا۔ انصارؓ کے ہر فرد پر بے پناہ فرحت و انبساط کا عالم طاری تھا۔ ان کے ذوق و شوق اور بیتابی کا یہ عالم تھا کہ روزانہ چلچلاتی دھوپ میں مدینہ سے تین چار میل چل کر حرہ تک جاتے۔ دوپہر تک حضور ﷺ کا انتظار کرتے رہتے اور پھر ایک گونہ حسرت کے ساتھ واپس چلے جاتے۔ ان مشتاقانِ زیارت میں حضرت ابویوب انصاریؓ بھی ہوتے تھے۔ ادھر سرورِ عالم ﷺ خرار، مدلبہ، مرجح، حداید، ذاکر، رابغ، قاحہ، عرج، کرتبہ، عسک، عقیق وغیرہ مختلف منازل طے کرتے ہوئے آٹھ ربیع الاول ۱۲؎ انبوتؓ بروز پنجشنبہ قُبَاء کے قریب پہنچ گئے۔ اس دن بھی انصارِ معمول کے مطابق انتظار کرنے کے بعد مایوس واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے اپنے قلعہ (یا ایک ٹیلہ) کی بلندی سے حضور ﷺ کی سواری دیکھ لی اور بھانپ گیا کہ یہ وہی ”صاحبِ قریش“ ہیں جن کا انصار کو انتظار ہے۔ (حضور ﷺ نے جب دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو مکہ سے باہر اہل عرب میں آپ ﷺ ”صاحبِ قریش“ کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے) اس نے انصار کو آواز دی۔ ”بنو قیلہ! تمہارے صاحب آ پہنچے۔“ اس آواز کا انصار کے کانوں میں پڑنا تھا کہ وہ فرطِ مسرت سے دیوانے ہو

انصار دو بھائیوں اوس اور خزرج کی اولاد سے تھے۔ یہ دونوں اگرچہ حارثہ کے بیٹے تھے لیکن قیلہ کے بیٹے مشہور تھے جو ان کی ماں تھی۔ اسی نسبت سے اوس و خزرج کی اولاد کو بنو قیلہ بھی کہا جاتا تھا۔

گئے۔ تکبیر کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کر دیئے اور رَحْمَةُ اللّٰعَالَمِیْنَ کی زیارت کے لیے جمع ہو گئے جو لوگ گھروں میں تھے وہ بھی اپنے ہتھیار لے کر بے تابانہ قبا کی طرف اٹھ دوڑے۔ غرض ۔

نظر آئی جونہی پہلی جھلک روئے پیمبر کی
سلائی گونج اٹھی نعرۂ اللہ اکبر کی
اکٹھے ہو گئے ہر سمت سے طالب زیارت کے
شعاعوں کی طرح سے گرد خورشید رسالت کے

(حفیظ جالندھری)

حضور ﷺ کھجور کے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ مہاجرین (جو حضور ﷺ سے پہلے یہاں آ گئے تھے) اور انصارؓ گروہ درگروہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور شرف قدم بوسی حاصل کرتے۔ حضور ﷺ آٹھ دن کے طویل سفر سے تھک گئے تھے اس لیے آپ ﷺ نے چند دن قبا ہی میں قیام کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ یہ مژدہ جانفزا اہل قبا کے لیے باعثِ صد ہزار سعادت تھا۔

قبا مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ اس کی سطح مرتفع ہے۔ یہاں انصار کے کئی خاندان آباد تھے۔ ان میں قبیلہ اوس کی ایک معزز شاخ عمرو بن عوف کا خاندان بھی تھا۔ اس خاندان کے سردار حضرت کلثوم بن الہدمؓ تھے۔ قبا میں سرور کوئین ﷺ کی میزبانی کا شرف قسام ازل نے حضرت کلثوم بن الہدم کے مقدر میں لکھ رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے انہی کے مکان کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ البتہ لوگوں سے ملاقاتوں کے لیے حضور ﷺ حضرت سعد بن خثیمہ کے مکان میں تشریف لے آتے تھے۔

۱۔ حضرت کلثوم بن الہدم رئیس بنو عمرو بن عوف کا لقب ”صاحب رحل رسول اللہ ہے۔ وہ اگرچہ نہایت ضعیف العمر ہو چکے تھے لیکن صدائے توحید سنتے ہی آبائی مذہب ترک کرنے میں ایک لمحہ بھی توقف نہ کیا۔ غزوہ بدر سے کچھ عرصہ پہلے داعی اجل کو لبیک کہا۔ قبا میں رسول اکرم کا شرف میزبانی اور مسجد قبا کا ان کی زمین پر تعمیر ہونا ان کی عظمت و جلالت پر دال ہے۔

تین دن کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ بھی لوگوں کی امانتیں واپس کر کے رسول اللہ ﷺ سے قبائیں آئے۔

مسجد قبا کی تاسیس

قبا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد کی تعمیر کا کام تھا۔ اس مسجد کی زمین پر پہلے حضرت کلثومؓ کا مہر تھا۔ مہر بدوہ افتادہ جگہ ہوتی ہے جہاں کھجوریں خشک کر کے چھوہارے بنائے جاتے ہیں۔ حضرت کلثومؓ کو تعمیر مسجد کے لیے حضور ﷺ کی خواہش کا علم ہوا تو انہوں نے نہایت خوشی سے یہ زمین حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ چنانچہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس مقدس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی شان میں یہ آیات اتریں۔

لَمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى الْعَقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ذَلِيقِهِ
رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ (۱۰۸:۹)

ترجمہ:- ”وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن (شروع ہی میں) پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور حق تعالیٰ صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضور ﷺ ہمیشہ ہر شنبہ کو مدینہ سے قبا تشریف لاتے اور اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضور ﷺ دوسرے لوگوں کے ساتھ مزدوروں کی طرح خود بھی کام کرتے تھے۔ جسم اطہر دوزنی پتھر اٹھاتے وقت خمیدہ ہو جاتا۔ صحابہ کرام عرض کرتے۔ ”یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں، یہ کام ہم خود کر لیں گے۔“ حضور ﷺ اپنے جاں نثاروں کی طلبداری کے لیے ہاتھ کا پتھر چھوڑ دیتے لیکن پھر کوئی دوسرا دوزنی پتھر اٹھا لیتے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ شاعر انصار حضرت عبداللہ بن رواحہ (صہبہ مؤتہ) بھی تعمیر مسجد میں شریک تھے وہ

تھکن مٹانے کے لیے کام کرتے کرتے اپنے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

أَفْلَحَ مَنْ يُعَالِجُ الْمَسَاجِدَا وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور
وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَائِمًا وَقَاعِدًا اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو
وَلَا يَبِيتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا غافل ہو کر نہیں سوتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔ حضور ﷺ نے قبا میں بآخلافِ روایت چار دن یا چودہ دن قیام فرمایا۔ صحیح بخاری میں مدتِ قیام چودہ دن ہے اور دوسری تمام روایتوں میں چار دن۔ زمانہ حال کے مؤرخین میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے لیکن ”رحمۃ اللعالمین“ کے مصنف قاضی سلمان منصور پوریؒ نے چار دن والی روایتوں کو اپنایا ہے۔ بہر صورت جمعہ کے دن حضور ﷺ نے مدینہ کا قصد فرمایا۔



زمین یثرب رشکِ فلک بن گئی

ضیائے حق سے رشکِ طورِ سینا بن گیا یثرب
نبیؐ کا آستان بن کر مدینہ بن گیا یثرب
(حفیظ جالندھری)

تاریخ اسلام کا ایک تابناک دن

جس دن ارضِ یثرب کو امامِ انبیاءِ فخرِ موجودات خیر البشر ﷺ کے پائے اقدس چومنے کا شرف حاصل ہوا وہ تاریخِ اسلام کا ایک تابناک دن ہے۔ سرورِ عالم ﷺ نے اندرونِ یثرب جانے کے لیے اپنی اونٹنی قصوا طلب فرمائی تو انصارِ قبا حضور ﷺ کی جدائی کے خیال سے افسردہ خاطر ہو گئے۔ قبیلہ عمرو بن عوف کے عمائد حضور ﷺ کی اونٹنی کے آگے کھڑے ہو گئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم سے کوئی کام مزاجِ گرامی کے خلاف تو سرزد نہیں ہوا یا حضور ہمارے غریب خانوں سے کسی بہتر قیام گاہ میں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا ”میں جہاں جا رہا ہوں مجھے وہیں جانے کا حکم ہے۔“ اس سے پہلے رہبرِ عالم ﷺ نے اپنے ارادہ سے بنوِ نجار کو مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ نہایت مسرت و اجتہاد کے عالم میں ہتھیار سجا کر حضور ﷺ کی پیشوائی کے لیے قبا پہنچے۔ کوکہِ نبوی قبا سے روانہ ہوا تو آگے پیچھے دائیں بائیں انصار و مہاجرین کی مسلح جماعتیں چل رہی تھیں۔ انصار کے تمام قبیلہ رَحْمَۃُ اللّٰعٰلَمِیْنَ کے انتظار میں قبا سے مدینہ تک ہتھیاروں

سے آراستہ دورویہ صف بستہ کھڑے تھے۔ دھوپ میں ان کے ہتھیاروں کی چمک نکلا ہوں کو خیرہ کر رہی تھی اور فضا تکبیر اور اہلاً وسہلاً کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

سرورِ کونین ﷺ کی پہلی نمازِ جمعہ

اثناے راہ میں بنو سالم کے محلہ میں (جو یثرب کا ایک بیرونی محلہ تھا) نماز کا وقت آ گیا۔ سرورِ کونین ﷺ یہاں ٹھہر گئے اور تمام صحابہؓ کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نمازِ جمعہ تھی اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا۔ رہبرِ عالم ﷺ نے اپنے خطبہ میں رَبُّ الْعِزَّت کی حمد و ستائش بیان کی۔ لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی تلقین فرمائی اور ان پر واضح کیا کہ ایک دن ہم سب کو احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ آخرت کے لیے نیک عمل کرے اور تقویٰ و طہارت کو اپنی زندگی کا شعار بنائے۔

سرورِ کونین ﷺ کا فقید المِثال استقبال

ایک آں سرو خراماں می رسد	ایک آں گلبرگِ خنداں می رسد
شاد باش اے چشمِ بھرانِ بلا	کز بے در تو درماں می رسد
شوق کن اے ہلہلِ گلزارِ عشق	کاں گل نوازِ گلستاں می رسد
دردِ افسردہ روئے می دہد	مروہ تن را مژدہ جاں می رسد
دور شو اے ظلمتِ شامِ فراق	کافاقِ وصلِ تاباں می رسد

نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر ہادی اکرم ﷺ یثرب کی جنوبی سمت سے شہر میں داخل ہوئے۔ رُحْمَہُ لِلْعَالَمِیْنَ ﷺ کا یثرب میں داخلہ دنیائے شوق اور تاریخِ عشق میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ جس والہانہ جوش و خروش اور بے پناہ ذوق و شوق سے المِی یثرب نے مکہ کے دُرِّ یتیم کا استقبال کیا، تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس دن ”یثرب“ ”مَدِیْنَةُ النَّبِیِّ ﷺ“ بن گیا اور اس کی زمین رُحْبُ آسمان بن گئی۔ انصار کے

وفورِ مسرت کا یہ عالم تھا کہ قبائے لے کر مدینہ تک تین میل کا راستہ جمالی رسالت کے مشتاقانِ دید سے پناہ پڑا تھا۔ یہ مدینہ کی تاریخ کا سب سے بڑا یومِ مسرت تھا۔

خاکِ یثرب کے ذرات ابھرا بھر کر ہمہ تن دید بن گئے تھے کہ آج انہیں اس رحمِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس چومنے کا شرف حاصل ہونے والا تھا جو تمام کائناتِ ارضی و سماوی کا سرمایہ افتخار تھا۔ بچے اور عورتیں بھی پیکرِ اجتہاد بنے ہوئے تھے۔ سارا شہر جوشِ مسرت اور فرطِ عقیدت سے گہوارہ بہار بنا ہوا تھا اور فضا تحمید و تقدیس کے نعشوں سے گونج رہی تھی۔ مدینہ کے حبشی غلام وفورِ مسرت میں اپنے فوجی کرب دھارہ تھے اور بچے جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ (رسول اللہ آئے)۔ رسول اللہ (آئے) کے نعرے لگاتے ہوئے ہر طرف خوشی سے اچھل کود رہے تھے۔ جوشِ مسرت میں پردہ نشیں خواتین بھی گھروں کی چھتوں پر نکل آئی تھیں۔ مکانوں کی بالائی منزلیں اور منڈیریں ان خواتین سے پٹی پڑی تھیں۔ دوشیزہ لڑکیاں غرفوں اور جھروکوں سے جھانک رہی تھیں۔ راہ میں انصار کا ہر قبیلہ بصدِ نیاز سرورِ کونین ﷺ کے سامنے آتا اور عرض کرتا:-

”یا رسول اللہ ہمارا گھر حاضر ہے، جان حاضر ہے، مال حاضر ہے۔“

حضور ﷺ ہر قبیلہ کے احسان کا اعتراف فرماتے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ جس وقت کو کبہ نبوی کسی کوچے میں داخل ہوتا تو دونوں طرف کے مکانات کی

چھتوں پر ایستادہ پردہ نشینانِ انصار کے لبوں پر یہ ترانہ جاری ہو جاتا:-

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا	ہم پر چودہویں کا چاند طلوع ہوا ہے
مِنْ نَبِيَّاتِ الْوَدَاعِ	کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
مَا دَعَى لِلَّهِ دَاعٍ	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں
إِنَّمَا الْمَبْعُوثُ فِينَا	اے ہم میں مبعوث ہونے والے

جُتَّ بِالْأَمْرِ الْمَطَاعِ آپ ایسے امر کیساتھ آئے ہیں جس کی اطاعت فرض ہے
بنو نجا کے جوش و خروش اور مسرت و اجتہاد کی تو کوئی انتہاء تھی کیونکہ ان کو یقین تھا

کہ سرورِ عالم ﷺ انہیں ہی شرفِ میزبانی بخشیں گے اور اس طرح ان کو محبوبِ کبریا ﷺ کے ہمسایہ بننے کی سعادت نصیب ہوگی۔ بنو نجار کی معصوم بچیاں دف بجا بجا کر یہ ترانہ گا رہی تھیں:-

نَحْنُ جَوَارِ مِنْ اَبْنَى النَّجَّارِ ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں
يَا حَبْدًا مُحَمَّدًا مِّنْ جَارِ محمدؐ کیا ہی اچھے ہمسایہ ہیں
سرورِ کائنات ﷺ ان لڑکیوں کے پاس سے گزرے تو متبسم ہو کر ان سے فرمایا:-
”بچو کیا تم مجھے چاہتی ہو۔“

”انہوں نے بیک آواز کہا۔“ ہاں یا رسول اللہ“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”تم بھی مجھ کو عزیز ہو۔“

سرورِ عالم ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ”میں نے اس دن سے زیادہ مبارک اور بے مسرت دن کوئی نہیں دیکھا جس میں رسولِ اکرم ﷺ رونقِ افروز مدینہ ہوئے۔ اس دن مدینہ کے درود یوار طلعتِ اقدس سے جگمگا اٹھے۔“
(مسندِ داری)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور مدینہ میں نزولِ اِجلال کے واقعہ کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:-

جبکہ آمادہٴ خوں ہو گئے کُفَّارِ قریش لاجرم سرورِ عالمؐ نے کیا عزمِ سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
اک فقط حضرتِ ابوبکرؓ تھے ہمراہِ رکاب ان کی اخلاقِ شعاری تھی جو منظورِ نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادہٴ شر
چونکہ سواونٹ کا انعام تھا قاتل کے لیے آپ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ زر
انہی لوگوں میں سراقہ خلیفِ مُہشَّم تھے جن کو فاروقؓ نے اک روز پہنائے تھے گھر
تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں تھا جہاں عقربِ وافی کی حکومت کا اثر
بیمِ جاں، خوفِ عدو ترکِ غذا سختیِ راہ ان مصائب میں ہوئی شبِ ہجرت کی سحر

یاں مدینے میں ہوا نعل کہ رسول آتے ہیں
لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آ کر اشعار
ماں کی آغوش میں بچے بھی چل جانے لگے
آلِ نجات چلے شہر سے ہو کر تیار
دفعۃً کو کہہ شاہِ رسل آ پہنچا
جلوۂ طلعتِ اقدس جو ہوا عکسِ قلن
طور پر حضرت موسیٰ کی صدا آتی تھی
سب کو یہ فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
سینے کہتے تھے کہ خلوت گہرِ دل حاضر ہے
ہاں مبارک تجھے اے خاکِ حریمِ نبوی

صلی یارب علی خیر نبی و رسول

صلی یارب علی افضل جن و بشر

شاعر اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں
درودِ مسعود کی تصویر کشی اس طرح کی ہے۔

اٹھی اک روز آواز بلند اللہ اکبر کی
ہوا چاروں طرف اقصائے یثرب میں پکار آئی
جوان و پیر مرد و زن سراپا چشم ہو بیٹھے
جنوبی سمت اٹھا ایک نورانی غبار آخر
کھڑے تھے راہ میں انصار ہر نہف بھف ہو کر
فضا میں بھر گئیں توحید کی آزاد تکبیریں
درود یار استادہ ہوئے تعظیم کی خاطر
نبوت کی سواری جس طرح سے ہو کے جاتی تھی
مسلمان پیماں گھر کی چھتوں پر جمع ہو ہو کر

سواری جانب یثرب بڑھی محبوبِ داور کی
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی
بہار آنے کو تھی گلشن سراپا چشم ہو بیٹھے
سوادِ شہر میں داخل ہوا ناکہ سوار آخر
مہاجر پیچھے پیچھے چل رہے تھے سر بکف ہو کر
یہ تکبیریں تھیں باطل کے گلوں پر تیز شمشیریں
زمیں کیا آسماں بھی جھک گئے تسلیم کی خاطر
درود و نعت کے نعمات کی آواز آتی تھی
نظر سے چومتی تھیں عصمتِ دامانِ پیغمبر

ضیائے حق سے رہک طور سینا بن گیا یثرب نبی کا آستان بن کر مدینہ بن گیا یثرب
 مبارک منزلے کاں خانہ راما ہے جنیں باشد
 ہمایوں کشورے کاں عرصہ راشا ہے جنیں باشد

یہ تو تصویر کا ایک رخ تھا۔ دوسری طرف یثرب کے یہود و نصاریٰ اور منافقین کے
 گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ رحمتِ دو عالم ﷺ کے جلال سے بزمِ کفر و شرک میں
 بھونچال آ گیا۔ قصِ یثرب آ زری رعدِ خوف بن گیا۔ میکہ لات و ہل میں تھر تھری پڑ
 گئی۔ بد بخت یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف کی پیشینگوئیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر
 لیں اور سرگروہ منافقین عبد اللہ بن ابی کی ”شاہِ یثرب“ بننے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔
 حیرت ہے ان لوگوں کی حراماں نصیبی پر کہ ماہِ رسالت اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ ان کے
 درمیان جلوہ بار ہوا اور وہ پھر بھی سعادتِ ایمانی سے محروم رہے۔ سچ ہے:

۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
 تانہ بخشد خدائے بخشنده



یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

اشتیاق و تمنا کی بے تابیاں

کو کہہ نبوی جوں جوں آگے بڑھتا تھا، انصار کے اشتیاق و تمنا کی بے تابیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ انصار کا ہر قبیلہ اور فرد سر اپا اشتیاق بنا ہوا تھا۔ ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ رحمہ دو عالم ﷺ کا شرف میزبانی اسے حاصل ہو۔ سب جانتے تھے کہ رحمتوں کا یہ بادشاہ، امن کا شہزادہ اور لطف و کریم کا یہ پیکر جمیل جس کے گھر کو اپنے قدوم میںنت لزوم سے نوازے گا، رحمت کے فرشتے اس کی دہلیز پر پہرہ دیں گے، اللہ کی نعمتیں اس کے گھر میں اتریں گی اور دین و دنیا اس کے ہاں مکمل ہو جائیں گے۔ اسی لیے حضور ﷺ کا میزبان بننے کے لیے انصار میں سخت کشمکش تھی۔ رؤسائے قبائل حضرت عثمان بن مالک، عباس بن عبادہ، عبداللہ بن رواحہ، سعد بن عبادہ، خارجہ بن زید، زیاد بن لبید، فردوس بن عمرو، سعد بن ربیع، سلیط بن قیس، منذر بن عمرو، ابوسلیط اسیرہ بن ابی خارجہ نے فردا فردا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ”یا رسول اللہ! ہمارا غریب خانہ حاضر ہے۔ اس میں قدم رنجہ فرمائیے۔

گر تو بہ فرقِ مائشینی نازت پہ کشم کہ نازِ نینی

سرورِ کونین ﷺ پر اس وقت وحی کی کیفیت طاری تھی آپ اپنے چاہنے والوں کے حق میں دعائے خیر کرتے اور پھر فرماتے۔

خَلَوْا سَبِيلَهَا فَلَا تَهَا مَمُورَةٌ

(اس) (ناقہ) کو چھوڑ دو یعنی اس کا راستہ نہ روکو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے)

حضور ﷺ نے اس وقت اونٹنی (قصوا) کی مہار چھوڑ رکھی تھی اور حکم الہی کے منتظر تھے۔ ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں وہ کون خوش نصیب ہے جسے رُحْمَةُ لِّلْعَالَمِیْن کی میزبانی کی سعادت عظمیٰ حاصل ہوتی ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

قصوا (ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناتہ) چلتے چلتے بنو نجار کے محلے میں پہنچی اور اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں آج کل مسجد نبوی کا بڑا دروازہ ہے۔ حضور ﷺ اس پر سے نہ اترے۔ قصوا پھر اٹھی اور تھوڑی دور چل کر واپس آئی اور اسی جگہ پر جہاں پہلے بیٹھی تھی دونوں پاؤں جما کر بیٹھ گئی۔ اس جگہ کے قریب حضرت ابویوب انصاریؓ کا گھر تھا وہ فرط مسرت سے بے خود ہو گئے اور دوڑ کر حضور ﷺ کا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ اس اثناء میں بنو نجار کے دوسری لوگ بھی وہاں پہنچ گئے اور ہر ایک اصرار کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میرے غریب خانے پر نزول اجلال فرمائیں۔ ادھر حضرت ابویوبؓ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! یہ اس مسکین کا گھر ہے اجازت ہو تو حضور ﷺ کا سامان اتار دوں۔“ حضور ﷺ کسی کی دل شکنی کرنا نہ چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ”قرعہ ڈال لو۔“ قرعہ ڈالا گیا تو حضرت ابویوب انصاریؓ کا نام نکلا گویا خیر دو جہاں ﷺ کی میزبانی کا شرف رب العزت ہی نے ان کے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ حضرت ابویوبؓ نے نہایت مسرت سے سرور کو نین ﷺ کا سامان ناتہ سے اتارا اور ان کا گھر انوار رسالت کی ضیاء یوں سے جگمگانے لگا۔

فلک نے رشک سے دیکھا اس انصاری کی قسمت کو

ابویوبؓ گھر میں لے گئے سامان رحمت کو

(حفظ جالندھری)

ایک روایت میں ہے کہ اونٹنی کے بیٹھتے ہی حضرت ابویوبؓ دوڑ کر آگے بڑھے اور حضور ﷺ کو اہلاً و سہلاً کہا۔ حضور ﷺ نیچے اترے تو حضرت ابویوبؓ اونٹنی سے کجاوہ

اتار کر فوراً اپنے مکان کے اندر لے گئے۔ دوسرے لوگوں نے آپ کو اپنے ہاں لے جانا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”آدی وہیں قیام کرتا ہے جہاں اس کا کجاوہ ہو۔“ چنانچہ سب خاموش ہو گئے اور حضور ﷺ حضرت ابویوبؓ کے گھر رونق افروز ہو گئے۔ بعض دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرور کائنات عدا حضرت ابویوبؓ کے ہاں ٹھہرے کیونکہ وہ بنونجار کے رئیس تھے اور بنونجار سے حضور ﷺ کی قرابت تھی۔ لیکن ان روایتوں میں اس بات کی تصریح نہیں کی گئی کہ بنونجار کے کسی دوسرے رئیس کے ہاں رسول اکرم ﷺ نے کیوں قیام نہ فرمایا اور یہ سعادت دارین حضرت ابویوبؓ ہی کو کیوں نصیب ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ حکم الہی کے تحت ہوا۔ خواہ قرعہ میں حضرت ابویوب انصاریؓ کا نام نکلا ہو یا حضور ﷺ عدا ان کے ہاں ٹھہرے ہوں، بہر صورت رضائے الہی کے بغیر کچھ نہیں ہوا۔ فی الحقیقت سرور کونین ﷺ کی میزبانی کے لیے رب العزت کی طرف سے حضرت ابویوبؓ کا انتخاب ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!

ابن اسحاق نے کتاب المتجدد میں ایک عجیب روایت بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ دو سو سال پہلے تبع (شاہ یمن و حضرموت) جس کا نام ابو کرب اسعد بن کلیم کرب (ملک یارب) تھا مدینہ کی سرزمین سے گزرا تو اس کے ہمراہ چار سو عالم تھے وہ سب اسی جگہ رہنے پر مقرر ہوئے۔ تبع نے ان کے اصرار کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ جگہ نبی آخر الزمان احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ہجرت ہے۔ ہم یہاں اس لیے آباد ہونا چاہتے ہیں کہ شاید ہم ان کی زیارت سے مشرف ہو جائیں۔ تبع نے ان کو وہاں آباد ہونے کی اجازت دے دی اور ان کے سب سے بڑے عالم کو ایک تحریر لکھ کر دی جس میں اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا۔ اس تحریر میں یہ دو شعر تھے۔

شَهِدْتُ عَلَى أَحْمَدَ أَنَّهُ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ بَارِئُ النَّسَمِ

(میں احمد کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ خالق کائنات کے رسول ہیں)

فَلَوْ مَدَّ عُمَرُ إِلَى عُمَرِهِ لَكُنْتُ وَزِيرًا لَهُ وَابْنًا عَمِّهِ

(اگر میری عمر ان کے زمانہ تک دراز کر دی جاتی تو میں ان کا وزیر اور ابن عم (یعنی مددگار) ہوتا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سید البشر ﷺ کی والہانہ خدمت

حضرت ابویوب انصاریؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ ایک کمرہ نیچے اور ایک اوپر حضرت ابویوبؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی ”یا رسول اللہ! آپ غریب خانہ کی بالائی منزل میں قیام فرمائیں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”نہیں میرے پاس لوگوں کی آمد و رفت رہے گی اس لیے چلی منزل ہی میرے قیام کے لیے موزوں ہے۔“ چنانچہ حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق حضرت ابویوبؓ نے مکان کی زیریں منزل خالی کر دی اور خود بالا خانے میں فروکش ہو گئے۔ لیکن حضرت ابویوبؓ اور ان کی اہلیہ کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا تھا کہ وہ تو بالائی منزل میں مقیم ہیں اور مہبطِ وحی و رسالت ﷺ چلی منزل میں ہیں۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ایک روز بالا خانے پر پانی سے بھرا ہوا برتن پھوٹ گیا۔ حضرت ابویوبؓ اس خیال سے مضطرب ہو گئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور سرورِ عالم ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں اوڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا۔ حضرت ابویوبؓ نے فی الفور یہ لحاف تھپیٹ کر پانی پر ڈال دیا تاکہ بہتا ہوا پانی لحاف کی ردی میں جذب ہو جائے۔ جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔

سرورِ کونین ﷺ اگرچہ اپنی خوشی سے زیریں منزل میں مقیم تھے لیکن حضرت ابویوبؓ اور ان کی اہلیہ کو بالا خانہ کی سکونت سخت ناپسند تھی۔ یہ خیال ان کے لیے سوہانِ روح تھا کہ غرِ موجودات، خیر البشر، سید المرسلین سرورِ کون و مکان تو تحتائی منزل میں مقیم ہوں اور ان کے ادنیٰ ترین خدام بالائی منزل میں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یہ تحریر نسل بعد نسل منتقل ہوتے ہوئے حضرت ابویوبؓ کے پاس پہنچی۔ کہتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ کی ہجرت کے وقت یہ تحریر حضرت ابویوبؓ کے پاس بچھڑے ہوئی تھی۔ لیکن اکثر اہلِ بیئر کے نزدیک یہ روایت پایہ ثبات سے گری ہوئی ہے اور قابلِ اعتبار نہیں۔ تاہم یہاں یہ ذکر کر دینا بے عمل نہ ہوگا کہ ابو کرب اسعد کا زمانہ حکومت ۳۰۰ھ سے ۳۲۵ھ تھا۔ علامہ طبریؒ کا بیان ہے کہ اس نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا۔ قوم تبع کا ذکر قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔

یہ روحانی اذیت ایک رات کو اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور ساری رات اسی حالت میں جاگ کہ گزاردی۔ صبح ہوئی تو حضرت ابوایوبؓ سرور کونینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ”یا رسول اللہ! ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے۔“ حضورؐ نے وجہ دریافت فرمائی تو عرض کیا۔ ”ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہمیں ہر لحظہ آپ کی بے ادبی کا اندیشہ دامن گیر رہتا ہے رات کو اس اندیشہ نے شدت اختیار کر لی۔ یا رسول اللہ! ہم غلاموں پر کرم فرمائیے اور بالا خانے پر تشریف لے چلیے۔ حضورؐ کے غلاموں کے لیے آپ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعثِ سعادت ہے۔“ سرور کونینؓ نے ابوایوبؓ کی درخواست قبول فرمائی اور اوپر کی منزل پر منتقل ہو گئے۔ حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ نے بکمال مسرت چلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔

سرور کائناتؐ نے چھ یا سات مہینے حضرت ابوایوبؓ کے گھر قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں حضرت ابوایوبؓ نے جس والہانہ عقیدت سے رحمۃِ دو عالمؐ کی خدمت کی وہ ان کے عشقِ رسولؐ پر دال ہے۔ حضرت ابوایوبؓ دونوں وقت ہادی اکرمؐ کی خدمت میں ماحضر پیش کرتے۔ بعض اوقات دوسرے انصار کے ہاں سے بھی کھانا آ جاتا۔ کھانے سے جو کچھ بچ جاتا حضورؐ اسے ابوایوبؓ کے پاس بھیج دیتے۔ حضرت ابوایوبؓ کی عقیدت کیشی اور حبِّ رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ کھانے میں جہاں سرور عالمؐ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے بہ خیالِ تمک و اتباع رسولؐ انہی پر اپنی انگلیاں رکھ کر کھانا تناول کرتے۔ ایک دفعہ کھانا جوں کا توں واپس آ گیا۔ حضرت ابوایوبؓ مضطرب ہو کر رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ”یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ نے آج کھانا تناول نہیں فرمایا۔“ حضورؐ نے فرمایا۔

۱۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ کے ساتھ اسی مکان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ بھی فروکش رہے۔

”ہاں آج کھانے میں لہسن تھا اور مجھے لہسن مرغوب نہیں۔“
 حضرت ابویوبؓ نے عرض کیا۔ ”فَإِنِّي أَكْرَهُ مَا كَرِهْتَ“
 ”جو حضور کو پسند نہیں اسے میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔“

حضرت عبداللہ بن سلام آغوش اسلام میں

ماہ رسالت ﷺ کے خانہ ابویوبؓ میں جلوہ بار ہونے کے ابتدائی ایام میں حضرت عبداللہ بن سلام کے قبول اسلام کا اہم واقعہ پیش آیا۔ عبداللہ بن سلام یہود کے جلیل القدر عالم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ ان کا اصل نام ”حُصَیْن“ تھا اور وہ یہود بنی قیٹھاع سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے رسول کریمؐ کے یہ کلمات طیبہ سنے۔

أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطِيعُوا الطَّعَامَ اپنے بیگانے سب کو سلام کیا کرو اور
 وَصَلُّوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ (بھوکوں محتاجوں کو) کھانا کھلایا کرو اور خونی
 وَالنَّاسُ نِيَامَ رشتوں کو جوڑے رکھو (قطع رحمی نہ کرو) اور

رات کو نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں۔

یہ ہدایت آموز کلمات سن کر حضرت عبداللہ کا دل نورِ ایمان سے جگمگا اٹھا۔ انہیں

لہسن شریعتِ اسلامیہ میں حرام نہیں ہے۔ چونکہ اس کے کھانے سے منہ میں ناخوشگوار سی بو پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے رسولِ اطہرؐ طبعاً اس سے کراہت فرماتے تھے۔ یہ حضرت ابویوبؓ کا مشق و اتباعِ رسولؐ تھا کہ جس چیز کو حضورؐ نے ناپسند فرمایا انہوں نے بھی اس سے کراہت کا اظہار کیا۔

صحیح مسلم میں خود حضرت ابویوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس میں سے کھاتے اور باقی بچا ہوا میرے پاس بھیج دیتے۔ ایک روز آپ نے میرے پاس (ایسا) پیالہ بھیجا (جس میں کھانا تھا) اور اس میں سے خود کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے کہ اس میں لہسن تھا۔ میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ کیا لہسن حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں بلکہ اس کی بو کے سبب میں اس کو (کھانا) پسند نہیں کرتا۔“ میں نے عرض کیا ”تو پھر (میں بھی اس کھانے کو نہیں کھاؤں گا کیونکہ) جس چیز کو آپ نے ناپسند کیا ہے اس کو میں بھی ناپسند کرتا ہوں (فَإِنِّي أَكْرَهُ مَا كَرِهْتَ)“

یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی بعثت کی پیشگوئی صحائفِ قدیمہ میں درج ہیں۔ دوسرے دن رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے چند پیچیدہ مسائل دریافت کیے۔ حضورؐ نے ان کا اطمینان بخش جواب دیا تو عرض کی یا رسول اللہ! میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔“ حضورؐ نے ان کے قبولِ اسلام پر مسرت کا اظہار فرمایا اور ان کا اسلامی نام ”عبداللہ“ رکھا۔ اب حضرت عبداللہؓ نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ میری قوم بڑی بدطینت اور مفتری ہے۔ انہوں نے سن لیا کہ میں حلقہِ گمشدہ اسلام ہو گیا ہوں تو مجھ پر طرح طرح کے بہتان باندھیں گے اس لیے میرے اسلام کی خبر کے اظہار سے پہلے ان سے دریافت کر لیں کہ ان کی میرے متعلق کیا رائے ہے۔“

حضور ﷺ نے یہود کے اکابر کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”تم توریت میں نبی آخر الزماں کی نشانیاں پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ میں تمہارے سامنے دینِ حق پیش کرتا ہوں اسے قبول کر کے فلاح دارین حاصل کرو۔“

یہودیوں نے جواب دیا۔ ”ہم نہیں جانتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔“

سردارِ عالم ﷺ نے فرمایا۔ ”حصین بن سلام تمہاری قوم میں کیسے ہیں؟“

سب یہودیوں نے بیک آواز جواب دیا۔ ”وہ ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں۔ وہ ہمارے عالم ہیں اور ہمارے عالم کے بیٹے ہیں وہ ہم میں سب سے اچھے اور سب سے اچھے کے فرزند ہیں۔“

KitaboSunnat.Com

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو کیا تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے؟“

یہودی ناک بھوں چڑھا کر بولے۔ ”خدا انہیں آپ کی حلقہِ گمشدہ سے محفوظ رکھے۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔“

اب حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکلے اور یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ”اے اعیانِ قوم خدائے واحد سے ڈرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ بلاشبہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔“

حضرت عبداللہؓ کا قبولِ اسلام یہود پر برقی خاطف بن کر گرا۔ وہ غم و غصہ سے

دیوانے ہو گئے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے۔ ”یہ شخص (عبداللہ بن سلام) ہم میں سب سے بڑا اور سب سے بڑے کا بیٹا ہے۔ ذلیل بن ذلیل اور جاہل بن جاہل ہے۔“

حضرت عبداللہؓ نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ ”یا رسول اللہ آپ نے یہود کی اخلاقی پستی دیکھ لی مجھے ان سے اسی افترا پر دازی کا اندیشہ تھا۔“ غرض عبداللہؓ بن سلام کا اسلام یہودیوں کے لیے اتمامِ حجت کی حیثیت رکھتا تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن سلام کے قبولِ اسلام کے بعد عیسائیوں کے ایک بہت بڑے راہب حضرت صرمہ بن ابی انس بھی مشرفِ باسلام ہو گئے۔ وہ بڑے قادر الکلام شاعر اور الہیات کے عالم تھے۔ قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے اور قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر سو سال سے اوپر تھی۔

مسجد نبوی کی تعمیر

خانہ ابوالیوبؓ میں رونق افروز ہونے کے کچھ عرصہ بعد سرورِ کونین ﷺ نے مدینہ منورہ میں مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا۔ اس مقصد کے لیے حضور ﷺ نے حضرت ابوالیوبؓ کے گھر کے سامنے اس افتادہ قطعہ زمین کو منتخب فرمایا جہاں آپ کی اونٹنی آ کر بیٹھی تھی۔ اس زمین میں کچھ قبریں اور کھجور کے درخت تھے۔ انصار اس سے مرید (کھجوریں خشک کر کے چھوہارے بنانے کی جگہ) کا کام لیتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ انصاری اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ اسی جگہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس زمین کے مالک بنو نجار کے دو یتیم بچے بہل اور سہیل تھے جو حضرت اسعد بن زرارہ (اور ایک روایت کے مطابق حضرت معاذ بن عفرات) کی سرپرستی میں تھے۔ ہادی اکرم ﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا:-

”میں یہ زمین قیمت دے کر لینا چاہتا ہوں تاکہ اس میں خانہ خدا کی تعمیر کر سکوں۔“ انصار نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ اس زمین کے مالکوں کو ہم قیمت ادا کر دیں گے اور اسے اپنی طرف سے آپ کے لیے ہبہ کرتے ہیں۔ اس کا صلہ ہم اللہ سے لیں گے۔“

حضور ﷺ نے انصار کے جذبہ ایثار کی تعریف فرمائی لیکن زمین کی قیمت دینے پر اصرار فرمایا اور مالکان زمین سہل و سہیل کو طلب فرمایا۔ دونوں سعادت مند بچوں نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ ہم یہ زمین حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آپ کی نذر کرتے ہیں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے میں یہ زمین بلا قیمت نہیں لوں گا۔“

ان بچوں کی والدہ کو معلوم ہوا تو اس نیک بخت خاتون نے بھی قیمت لینے سے انکار کیا۔ آخر سرور عالم ﷺ نے اصحاب الرائے کے مشورہ سے اس زمین کی قیمت دس مثقال (پونے چار تولے) سونا متعین فرمائی۔ یہ قیمت حضور ﷺ کی طرف سے کس نے ادا کی اس کے متعلق تین روایتیں ہیں۔

- ۱- اس زمین کی قیمت حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے ادا کی۔ (فتح الباری)
- ۲- حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ادا کی۔ (مدارج)
- ۳- حضرت اسعد بن زرارہؓ نے اس زمین کے معاوضہ میں سہل و سہیل کو بنویاضہ میں اپنا ایک باغ دے دیا۔ (زرقاتی)

اس کے بعد زمین ہموار کر کے مسجد کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ اس کے معماروں اور مزدوروں میں صحابہ کرامؓ (انصار و مہاجرین) کے ساتھ محبوب کبریٰ خیر البشر ﷺ بھی بہ نفس نفیس شامل تھے۔ سرور کونین ﷺ مزدوروں کے لباس میں پتھر اور گارا ڈھو کر لاتے اور زبان مبارک سے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تُخَيِّرِ الْاَخْيَرِ الْاَخْيَرِ الْاَخْيَرِ
فَاُخَيِّرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

اَللّٰہی کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

۱۔ بعض دوسری روایتوں میں یہ شعر اس طرح بھی درج ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تُخَيِّرِ الْاَخْيَرِ الْاَخْيَرِ الْاَخْيَرِ
فَاُخَيِّرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحابہ کرامؓ بار بار حبہ دوسرا ﷺ سے التجائیں کرتے تھے کہ حضور ﷺ ہم غلاموں کے ہوتے ہوئے آپ تکلیف نہ فرمائیں لیکن حضور ﷺ مستم ہو کر برابر کام کیے جاتے تھے۔ رحمۃ دو عالم ﷺ کو پسینے میں شرابور اور گردوغبار میں اٹا ہوا دیکھ کر صحابہ کرامؓ کے دلوں پر چھریاں چل جاتی تھیں لیکن مجبور تھے۔ حضور ﷺ کو تعمیر مسجد میں اس طرح منہمک دیکھ کر وہ دو چند جوش سے یہ رجز پڑھتے ہوئے حضور ﷺ کے ساتھ کام میں شریک ہو جاتے۔

لَئِنْ قَعِدْنَا وَالرَّسُولَ يَعْمَلُ
لِذَلِكَ فَالْعَمَلِ الْمُضِلُّ

اگر ہم بیٹھ جائیں اور رسول اکرمؐ کام کرتے رہیں
تو یہ سخت گمراہی کی حرکت ہو گی
غرض اس طرح چند ماہ میں دنیا کی یہ مقدس ترین مسجد تعمیر ہو گئی۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے خالی اور انتہائے سادگی کا مظہر تھی۔

کچی اینٹوں اور ناتراشیدہ پتھروں کی دیواریں۔ چوب خرما کے ستون اور کھجور کے پتوں کا چھپر۔ لیکن اس کو جن مقدس ہاتھوں نے تعمیر کیا اور جن کے سجدوں سے یہ معمور ہوئی ان کی عظمتوں کے سامنے فلک الافلاک کی رفعتیں ہچ ہیں۔
مسجد کے ایک سرے پر اصحاب صفہ کے لیے ایک مستطیف چبوترہ بھی تعمیر کیا گیا۔ یہ وہ مقدس لوگ تھے جن کا کوئی گھربار نہ تھا اور جو عالمی زندگی کی بندشوں سے آزاد تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الہی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے
تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے
یا:- اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَةِ
فَارْحِمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ
خدایا اجر تو بس آخرت کا اجر ہے
پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما

مسجد کے متصل حضور ﷺ نے ازواجِ مطہرات کے لیے کچی اینٹوں کے دو حجرے بھی تعمیر کرائے۔ ایک اُمّ المؤمنین حضرت سودہ کے لیے اور دوسرا اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ کے لیے جن سے مکہ ہی میں عقدِ نکاح ہو چکا تھا..... جب تک مسجد اور حجرے زیرِ تعمیر رہے سرورِ کونین ﷺ حضرت ابویوب انصاریؓ کے گھر رونق افروز رہے۔ اس کے بعد آپ وہاں سے ان حجروں میں منتقل ہو گئے۔ دوسری ازواجِ مطہرات جوں جوں حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں ان حجروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ شہنشاہِ عرب و عجم ﷺ کے یہ ذاتی مکان تقریباً سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانے تھے۔ چار کچی اینٹوں سے اور پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ ان کی چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ آدمی کھڑا ہوتا تو اس کا سر چھت سے جا لگتا۔ دروازوں پر کبل کے پردے پڑے رہتے۔ حضور ﷺ کے ابتدائی زمانے سے انتہائی عروج و اقتدار کے زمانہ تک ان حجروں کی سادگی کی یہی کیفیت رہی اور کیوں نہ رہتی یہ کسی دنیاوی بادشاہ کے محلات نہیں تھے بلکہ اس ذاتِ اقدس ﷺ کے مکانات تھے جو اس دنیا میں محسنِ انسانیت اور رَحْمَةُ الرَّحْمٰن بن کر تشریف لائے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ نے مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے پہلا کیا جو کام تعمیرِ مسجد گاہِ خدائے اناں تھا ایک قطعہ زمین تھا کہ اس کام کے لیے واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا وہ قطعہ زمین تھا تیبوں کی ملکِ خاص ہر چند قبرگاہ و گزرگاہ عام تھا چاہا حضورؐ نے کہ بہ قیمت خرید لیں ان کے مربیوں سے کہا جو پیام تھا اناں نے حضورؐ میں آکر یہ عرض کی یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا یہ ہدیہ حقیر پذیرا کریں حضورؐ اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا لیکن حضورؐ نے نہ گوارا کیا اسے بنتِ کشی سے آپؐ کو پرہیز تام تھا احسان اور وہ بھی عیمانِ زار کا بالکل خلاف طبعِ رسولِ اناں تھا بارہ ہزار سکہ رائج عطا کیے یہ تھا وہ غلط جس سے مخالف بھی رام تھا

سامان جو ضرور ہیں تعمیر کے لیے اب ان کی فکر مشغلہ صبح وشام تھا مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی از بسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا انصار پاکٹ اور مہاجر تھے جس قدر مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا اک روز نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت سینہ غبار خاک سے سب گرد قام تھا سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال یہ خود وجود پاک رسولِ اناّم تھا جو وجہ آفرینش افلاک و عرش ہے جس کا جبریلؑ بھی ادنیٰ غلام تھا صَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ وَآصْحَابِہِ الْکِرَامِ اس عظیم مختصر کا یہ مسک الختام تھا حضرت ابوالیوب انصاریؒ کا کاشانہ اقدس تقریباً سات ماہ تک سرور کوئین ﷺ کے انوار رسالت سے جگمگا تا رہا۔ اس میزبان کی خوش بختی اور سعادت کے کیا کہنے کہ ارض و سما کی برگزیدہ اور مقدس ترین ہستی ﷺ نے جس کے گھر کو کئی مہینے تک رہائے رکھا:

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

خاندان ابوالیوبؒ کا ایک اور شرف

یوں تو حضرت ابوالیوبؒ کے خاندان بنو نجار کو ہادی اکرم ﷺ انصار کا بہترین خاندان جانتے تھے اور اسی خاندان کے ایک فرد کو حضور ﷺ نے اپنی میزبانی کا شرف عظیم بخشا لیکن مسجد کی تعمیر کے دوران میں سرورِ عالم ﷺ نے بنو نجار کو ایک ایسا لازوال شرف عطا کیا جس نے انہیں بجا طور پر

مُتَّحِدٌ اسْتَبْرَجَ بِرَجْدِہٖ عَالَمٌ دَوَامٌ مَا

کا مصداق بنا دیا۔ یہ شرف عظیم رَحْمَۃٌ لِلْعَالَمِیْنَ ﷺ کا خود بنو نجار کا نقیب بنا تھا۔ وہ اس طرح کہ ان دنوں بنو نجار کے نقیب حضرت اسعد بن زرارہ انصاری نے وفات پائی تو بنو نجار کے لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملتی ہوئے کہ اسعدؓ کی جگہ کسی اور کو رسول کریمؐ نے فرمایا کہ انصار کے بہترین گھرانے بنو نجار کے ہیں اور ان کے بعد عبدالاشہل کے گھرانے ہیں۔

نقیب مقرر فرمایا جائے۔ سرور کونین ﷺ نے فرمایا:-

”تم لوگ میرے ماموں ہو اس لیے اب بنو نجار کا نقیب میں خود ہوں۔“

یہ سن کر بنو نجار کے لوگ دفور مسرت سے بے خود ہو گئے اور اس سعادت عظیم کو ہمیشہ

کے لیے انہوں نے اپنا سرمایہ افتخار بنالیا۔

حضرت ابویوبؓ کے حق میں دُعائے حفظ

ہجرت کے بعد مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں نے فرزند ان توحید کے خلاف ریشہ دو انیاں شروع کر دیں۔ حضور ﷺ کو ان کی سازشوں کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ رات کو ہتھیار باندھ کر سویا کریں اور کچھ آدمی جاگ کر پہرہ دیا کریں تاکہ قریش مکہ اور دوسرے دشمنوں کے ناگہانی حملہ کا تدارک کیا جاسکے۔ ایک موقع پر حضرت ابویوبؓ نے رات بھر پہرہ دیا۔ سرور عالم ﷺ نے ان کے حق میں دعا مانگی۔ ”اے ابویوبؓ خدا تمہیں اپنے حفظ و امن میں رکھے کہ تم نے اس کے نبی کی نگہبانی کی۔“ یہ حضور ﷺ کی دعا ہی کا اثر تھا کہ حضرت ابویوبؓ زندگی بھر مصائب و آلام سے محفوظ رہے اور وفات کے بعد بھی صدیوں تک نصاریٰ ان کی قبر کی حفاظت اور نگرانی کرتے رہے حتیٰ کہ قسطنطنیہ جہاں حضرت ابویوبؓ کی قبر ہے مسلمانوں کے زیرِ نگین آ گیا۔ آج بھی ترکی کی حکومت ان کی قبر کی نگرانی ہے۔

www.kitabosunnat.com

اُخُوَّت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

مُواخَاة

”مُواخَاة“ تاریخ اسلام کا ایسا عظیم الشان واقعہ ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ”مُواخَاة“ کے نتیجے میں جہنم فلک نے ایثار اور اخلاص کے ایسے تحیر خیز مناظر دیکھے جو اس سے قبل انسانیت کی ساری تاریخ میں عدم المثال تھے۔

مہاجرین کرام سالہا سال زہرہ گداز مصائب و فوائب جھیلنے کے بعد اپنے اہل و عیال گھریار اور مال و جائیداد کو چھوڑ کر جب مدینہ پہنچے تو ان کے پاس خدا کے نام کے سوا کچھ نہ تھا لیکن انصار مدینہ نے جس محبت اور خلوص سے ان غریب الوطنوں کی مہمانداری کی اس کے ذکرِ جمیل سے تاریخ اسلام کے اوراق ہمیشہ مزین رہیں گے۔

انصار فطر تا بڑے شریف سادہ بامروت اور وسیع القلب لوگ تھے۔ لیکن ان کے صدیوں پرانے باہمی نفاق و عداوت نے ان کے خصائل شریفہ کو قریب قریب غارت کر دیا تھا۔ اسلام کا ظہور انصار کے لیے حقیقی معنوں میں رحمہ کامل ثابت ہوا ورنہ کچھ مدت اور یہی حالت رہتی تو اوس و خزرج اس طرح صفحہ ہستی سے مٹ جاتے کہ آج ان کا نام جاننے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔ اسلام نے سب سے پہلے انصار کے باہمی نفاق کو ختم کیا اور جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان کو دین کے مستحکم رشتہ اُخُوَّت میں منسلک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح انصار کو ہولناک تباہی سے بچالیا۔

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ

اٰخُوْنَا ؕ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُم مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (ال عمران: آیت ۱۰۳)

”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ مت پیدا کرو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں (باہمی) الفت پیدا کر دی۔ سو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے“ حالانکہ تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے۔ سو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے شاید تم راہ پاؤ۔“

حق تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا انصارؓ نے کما حقہ شکر ادا کیا۔ انہوں نے اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کو راہِ حق میں وقف کر دیا اور اپنے ایثارِ خلوص اور فداکاریوں کے ایسے آئینہ نقوش صفحاتِ تاریخ پر ثبت کر دیے کہ تاریخِ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہجرت کے بعد ابتدائی پانچ مہینوں میں انصارؓ کے گھر مہاجرین کے لیے مہمان خانہ عام تھے لیکن یہ ایک بے ترتیب سی زندگی تھی۔ اس لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی پرورش اور کفالت کے لیے ایک سہل مگر مستقل اور منظم طریق کار کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد آپ ﷺ نے حضرت انسؓ بن مالکؓ کے

۱۔ خادمِ رسول اللہ ابو حمزہ انسؓ بن مالکؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت ابوالیوب انصاریؓ جس عظیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے حضرت انسؓ بھی اسی خاندان یعنی بنو نجار کے ایک فرزندِ جلیل تھے۔ ہجرتِ نبویؐ سے دس سال قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آٹھ یا نو سال کی عمر میں دینِ حق قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجلسِ مواخاۃ انہی کے مکان میں منعقد ہوئی۔ اس وقت حضرت انسؓ کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ ان کے سوتیلے باپ حضرت ابوطولحہؓ اور والدہ اُمّ سلیمؓ نے حضرت انسؓ کو سرورِ کائناتؐ کی غلامی میں دے دیا تھا۔ چنانچہ حضرت انسؓ کو دس برس تک خلوت و جلوت میں سرورِ عالمؐ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وسیع مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع کیا۔ حاضرین کی تعداد ایک روایت کے مطابق سو (۱۰۰) اور دوسری روایت کے مطابق نوے (۹۰) تھی۔ ان میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ سرورِ عالم ﷺ نے مہاجرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ”یہ تمہارے بھائی ہیں۔“

اس کے بعد آپ ﷺ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بلاتے اور فرماتے۔ ”آج سے تم دونوں بھائی بھائی ہو۔“ (ایک دوسری روایت کے مطابق حضور ﷺ بیک وقت چار آدمیوں کو بلاتے۔ ان میں سے دو مہاجر ہوتے اور دو انصار)

اس مبارک مجلس میں حضرت ابوالیوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ ان کا رشتہ موآخاۃ مدینہ میں اسلام کے معلمِ اول حضرت مُصْعَبُ بن عُمَیرؓ سے قائم کیا گیا۔ سرورِ کونین ﷺ نے اپنا رشتہ موآخاۃ اپنے مہاجر بھائی حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے قائم کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے اسی طرح اپنے عم محترم حضرت حمزہؓ کا رشتہ موآخاۃ اُن کے مہاجر بھائی حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ قائم کیا۔ البتہ دوسرے تمام مہاجرین کو انصار کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یہ خدمت ایسی والہانہ تھی کہ لوگ انہیں خاندانِ نبوت کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ حضرت انسؓ تمام اہم غزواتِ نبویؐ میں شریک ہوئے۔ صدیقِ اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں بحرین کا عامل مقرر کیا۔ فاروقِ اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں نو دوسرے اصحاب کے ساتھ فقہ کی تعلیم کے لئے بصرہ روانہ کیا۔ حضرت انسؓ نے بصرہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسی شہر میں ۹۳ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا اس وقت ان کی عمر ۱۰۳ برس کے قریب تھی۔ حضرت انسؓ کو اللہ تعالیٰ نے کثیر مال اور اولاد سے نوازا تھا۔ وفات کے وقت ان کے ۱۰۰ سے زائد بیٹے پیشیاں اور پوتے پوتیاں موجود تھے۔ نہایت خوبصورت خوش لباس اور خوش خوراک تھے۔ بچہ شجاع، نڈر، حق گو اور بے باک ہونے کے ساتھ منکسر المزاج بھی تھے۔ علم حدیث اور فقہ میں کمال حاصل ان سے ۱۲۸۶ھ احادیث مروی ہیں۔ وفات کے وقت ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی ان میں سے خواجہ حسن بصریؒ، قتادہؒ، محمد بن سیرینؒ، ربیعۃ الرائیؒ اور سعید بن جبیرؒ آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے۔

امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کا موقف یہ ہے کہ موآخاۃ میں کسی مہاجر کو مہاجر کا بھائی نہیں بنایا گیا اس لئے ایسی روایات ان کے نزدیک ضعیف ہیں۔ لیکن دوسرے مؤرخین ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں۔

ساتھ رشتہ مؤاخاۃ میں منسلک فرمایا۔ جن بزرگوں میں رشتہ مؤاخاۃ قائم ہوا ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

انصار

مہاجرین

حضرت ابو بکر صدیقؓ

حضرت خارجہؓ بن زید (عقی بدری)

حضرت عمر فاروقؓ

حضرت عتبہؓ بن مالک (بدری)

حضرت عثمان ذوالنورینؓ

حضرت اوسؓ بن ثابت (بدری)

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب

حضرت معاذؓ بن جبل (عقی بدری)

حضرت سلمان فارسیؓ

حضرت ابوالدرداء عمویرؓ بن ثعلبہؓ

حضرت بلال حبشیؓ

حضرت ابورویحہ عبداللہؓ بن عبدالرحمنؓ خثعمی

حضرت ابوذر غفاریؓ

حضرت منذرؓ بن عمرو

حضرت زبیرؓ بن العوام

حضرت سلمہؓ بن سلامہ بن قش (عقی)

حضرت سعیدؓ بن زید

حضرت ابیؓ بن کعب (عقی بدری)

حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف

حضرت سعدؓ بن ربیع (عقی بدری)

حضرت عمارؓ بن یاسرؓ

حضرت حذیفہؓ بن الیمان

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ

حضرت کعبؓ بن مالک (عقی)

حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہؓ بن ربیعہ

حضرت عباؤؓ بن بشر بن قش

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ

حضرت عویمؓ بن ساعدہ

حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ

حضرت ابویوب انصاریؓ (عقی بدری)

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح

حضرت سعدؓ بن معاذؓ (بدری)

رشتہ مؤاخاۃ کی حکمت

رشتہ مؤاخاۃ کا قیام محض ایک ہنگامی ضرورت کے تابع نہ تھا۔ بلکہ اس کے اندر

یہ اہل اسحاقؓ اور ابن ہشامؓ کی روایت ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کا رشتہ مؤاخاۃ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ سے قائم ہوا تھا۔

خاص حکمت اور مصلحت تھی۔ ایک تو یہ کہ مہاجرین کے دل سے غریب الوطنی کا احساس جاتا رہے۔ دوسرے یہ کہ مہاجرین جو ابتلاء و مصائب کی بھٹی میں پڑ کر کندن بن چکے تھے اور جن کی تربیت و اصلاح سرورِ عالم ﷺ نے خود فرمائی تھی، اپنے نو مسلم انصار بھائیوں کی تربیت کر سکیں تاکہ وہ بھی ہادی اکرم ﷺ کے حقیقی معنوں میں مزاج شناس بن جائیں۔ چنانچہ رشتہٴ مَوَاخَاة قائم کرتے وقت حضور ﷺ نے دونوں بھائیوں کے مزاج اور رجحانِ طبع کا خاص خیال رکھا۔ یہ شانِ نبوتِ ہی کا کمال تھا کہ حضور ﷺ نے نہایت قلیل عرصہ میں مہاجرین اور انصار کی کثیر تعداد کی استعداد کا کامل اندازہ کر لیا تھا۔ چند مَوَاخَاتی بھائیوں کے اوصاف ملاحظہ فرمائیے:-

حضرت ابوالیوب انصاری

اپنے خاندان میں نہایت آسودہ حال رئیس تھے۔ انصار کے سابقون اولون میں سے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد اپنے خاندان کے مُعَلِّم بن گئے۔ ہادی اکرم کی میزبانی کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی اور راقی حق میں کسی موقع پر بھی اپنی جان و مال پیش کرنے سے پیچھے نہیں ہٹے۔ ان کے مَوَاخَاتی بھائی حضرت مُصْعَب بن غَمیر بھی قریش کے ایک آسودہ حال خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ مہاجرین کے سابقون اولون میں سے تھے۔ سرورِ کونین ﷺ نے انہیں مدینہ میں اسلام کا مُعَلِّمِ اول مقرر فرمایا تھا۔ رحمۃِ دو عالم ﷺ کے عاشق زار تھے۔ غزوہٴ بدر اور احد میں نہایت جوش سے شریک ہوئے اور مَوَافِقِ الذکر غزوہ میں رعبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

امین الامة حضرت ابو عبیدہ بن جراح

آپ کے اسم گرامی اور رعبہ عظیم سے ایک دنیا واقف ہے۔ راقی حق میں پداری اور فرزندی کا خونی رشتہ بھی ان کے نگاہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ غزوہٴ بدر میں انہوں نے اپنے کافر باپ کی گردن اڑادی تھی۔ ان کے مَوَاخَاتی بھائی حضرت سعد بن معاذ "نوس" کے سردار تھے اور یہودی بنی قریظہ کے حلیف تھے لیکن جب بنو قریظہ نے فرزندِ انِ اسلام

سے غداری کی تو حضرت سعد بن معاذ نے بلا تامل ان کی گردنیں اڑا دینے کا مشورہ دیا حالانکہ عرب میں حلیفوں کا رشتہ خونی رشتوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

حضرت ابو حذیفہؓ

قریش کے رئیس اعظم عقبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے۔ اسی نسبت سے ان کو حضرت عباؤ بن بشر کا بھائی بنایا گیا جو عبدالاشہل کے رئیس تھے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

اپنے جوشِ ایمان اور فداکاریوں کی بدولت مہاجرین میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کو تجارت سے دلچسپی تھی۔ ایک وقت آیا کہ ان کا سامان تجارت سات سات سو اونٹوں پر مدینہ منورہ پہنچتا تھا۔ ان کے مؤاخاتی بھائی سعد بن ربیع بھی دین حق کے ایک جانباز سپاہی تھے اور نہ صرف دولتِ ایثار و اخلاص سے مالا مال تھے بلکہ تجارت کی بدولت دنیوی تمول میں بھی بڑے اونچے درجے پر تھے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام مؤاخاتی بھائی کسی نہ کسی حد تک ہم مذاق و ہم مشرب تھے۔

انصار کا فقید المثال ایثار و اخلاص

مؤاخاة سے پہلے بھی انصار نے مہاجرین کے لیے دیدہ و دل فرس راہ کر رکھے تھے لیکن مؤاخاة کے بعد تو انہوں نے اپنے مؤاخاتی بھائیوں سے حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر سلوک کیا۔ انصار کے بے مثل ایثار اور اخلاص کو دیکھ کر ہفت افلاک کی عظمتیں ان پر نثار ہو گئیں اور کائناتِ ارضی و سماوی کے ذرے ذرے نے ان پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔ عقدِ مؤاخاة کے بعد انصار اپنے مؤاخاتی بھائیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے اور تمام مال و متاع اور جائیداد غرض گھر کی ایک ایک چیز نثار کر کے آدمی آدمی ان کو دے دی۔ اگر حضرت ابو عبیدہؓ کے مؤاخاتی بھائی حضرت ابو طلحہؓ کو تسلیم کیا جائے تو وہ بھی بہت اونچے درجے کے صحابی تھے۔ ساری عمر رسول اکرمؐ کی اطاعت میں گزاری اور تمام غزواتِ نبویؐ میں شریک ہوئے۔

دی۔ اس ملکوتی جذبہ کی انتہائی تھی کہ حضرت سعد بن ربیع مال و جائیداد کی تقسیم سے فارغ ہو چکے تو اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے کہا۔ ”بھائی میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک کو آپ پسند کر لیں میں اسے طلاق دے دوں گا۔ آپ اس سے نکاح کر لیجیے۔“ حضرت عبدالرحمنؓ نے صدقِ دل سے حضرت سعد بن ربیع کا شکریہ ادا کیا اور ان کے احسان کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ”بھائی خدا آپ کے مال و دولت اور اہل و عیال میں برکت دے مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کاروبار تجارت کے لیے مجھے بازار تک پہنچا دو۔“

حضرت سعد بن ربیع نے نہایت خوشدلی سے کاروبار تجارت میں حضرت عبدالرحمنؓ کی رہنمائی اور مدد کی حتیٰ کہ ایک دن وہ بھی اپنی ہمت اور دیانت کی بدولت حضرت سعد بن ربیع کی طرح امیر الامراء بن گئے۔

انصار نے اپنے نصفِ نخلستان اور زمینیں اپنے مہاجر بھائیوں کو پیش کیں تو انہوں نے فنِ باغبانی و زراعت سے نا آشنا ہونے کے باعث ان کے لینے میں عذر کیا۔ انصار کا جوشِ ایثار ملاحظہ ہوا انہوں نے کہا کہ یہ نخلستان اور زمینیں ہم آپ کو ضرور دیں گے۔ ان میں کھیتی باڑی ہم خود کر لیں گے اور پیداوار کا نصف حصہ آپ کو دے دیا کریں گے۔ مہاجرین نے احسانِ مندی کے ساتھ اپنے انصار بھائیوں کی اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ جبِ خیبر تک مہاجرین ان نخلستانوں سے ^{ممتنع} متنبج ہوتے رہے۔ فتحِ خیبر کے بعد یہ نخلستان انہوں نے شکریہ کے ساتھ انصار کو واپس کر دیے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ مو ا خاتی رشتہ گئے بھائیوں جیسا رشتہ بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی انصاری سطرِ آخرت اختیار کرتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کے ترکہ کا وارث ہوتا اور مرحوم کے قریبی رشتہ دار محروم رہتے تھے۔ جبِ بدر کے بعد مہاجرین کی مالی حالت درست ہو گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قربا ت والے ایک دوسرے کے

زیادہ حقدار ہیں۔

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ

(الانفال آیہ ۷۵)

بَعْضُ

چنانچہ اس فرمانِ الہی کی تعمیل میں انصار و مہاجرین کا باہمی توازن منسوخ کر دیا گیا اور صرف خویش و اقارب ہی میں میراث کا قاعدہ جاری ہو گیا۔ انصار نے اپنا ایثار و اخلاص اپنے مؤاخاتی بھائیوں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ ہر ضرورت کے موقع پر انہوں نے راہِ حق میں اپنی استطاعت سے بڑھ کر قربانیاں پیش کیں۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری نے اپنے کئی مکانات سرور کائنات ﷺ کی نذر کر دیے تھے۔ اسی طرح اصحابِ صفہؓ کی کفالت انصار نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ جہاد کا موقع آتا تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اسلام کے لیے سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ غرض انصار کے جذبہٴ ایثار اور جوشِ جہاد کے واقعات قیامت تک شمس و قمر کی طرح روشن رہیں گے۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان زندہ جاوید ہستیوں کے بارے میں یوں فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔ (الانفال: ۷۴)

ترجمہ:- اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں ان کے لیے مغفرت اور بہترین رزق ہے۔



حضرت ابویوبؓ کے مَوَاخاتی بھائی حضرت مُصْعَبؓ بن عُمیر

پاکباز نوجوان

عمیر بن ہاشم کے فرزند مصعبؓ ایک جوان رعنا تھے۔ مکہ میں ان جیسا خوب رو اور خوش پوش نوجوان کوئی نہیں تھا۔ والدین کو اللہ تعالیٰ نے تمول اور آسودہ حالی کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے اپنے فرزند کو برے ناز و نعم سے پالا۔ مُصْعَبؓ اعلیٰ سے اعلیٰ ریشی جوڑے پہنتے اور عمدہ سے عمدہ خوشبو استعمال کرتے تھے۔ ان کے ایک جوڑے کی قیمت دو دوسو درہم تک ہوتی تھی جو اس زمانے میں ایک خطیر رقم متصور ہوتی تھی۔ ان کے پاؤں میں زری حضری جوتا ہوتا تھا جسے غریب یا متوسط طبقے کا کوئی فرد خریدنے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ اس جوان رعنا کی صورت اور پوشاک ہی عمدہ نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کی سیرت اور اخلاق بھی نہایت پاکیزہ تھے۔

جب سرور کائنات ﷺ نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو مصعبؓ کے پاک و صاف دل اور دماغ نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ پرستارِ ان حق ان دنوں بڑے پُر مَعُوبَت دور سے گزر رہے تھے۔ مشرکین نے اپنے ظلم و ستم سے توحید کے شیدائوں کے لیے مکہ کی سرزمین تنگ کر رکھی تھی۔ حضور ﷺ اپنے چند جاں نثاروں کے ہمراہ حضرت ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے۔ اسی پُر آشوب زمانے میں حضرت مُصْعَبؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے حضور ﷺ کے دِیوبِ حق پرست پر بیعت کی۔

شروع شروع میں انہوں نے اپنا اسلام گھر والوں سے پوشیدہ رکھا۔ اس میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنی مشفق ماں کو جو ان سے والہانہ محبت کرتی تھی آزرہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے وہ اپنی ماں کی شفقت اور مامتا کی بدولت اس سے اتنی مالی مدد حاصل کر لیتے تھے جس سے وہ اپنے مظلوم دینی بھائیوں کی دیکھری کر سکتے تھے۔ لیکن عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ ایک دن عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ نے) انہیں رب واحد کی عبادت کرتے دیکھ لیا۔ انہوں نے فوراً ان کے والدین کو اطلاع دی۔ وہ غم و غصہ سے دیوانے ہو گئے بیٹے سے ان کی بے پناہ محبت بے پناہ نفرت میں تبدیل ہو گئی اور انہوں نے مُصْعَبؓ کو باندھ کر قید تہائی میں ڈال دیا۔ دین حق سے منہ موڑ کر وہ پھر والدین کی محبت اور شفقتوں کا مرجع بن سکتے تھے لیکن بادۂ توحید نے انہیں کچھ ایسا مست کر دیا تھا کہ عیش و راحت سے محرومی اور قید و بند کی مصیبتیں برداشت کر لیں لیکن دین حق سے منہ موڑنا گوارا نہ کیا۔ کچھ عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ ادھر کفار کا معاملہ بھی مسلمانوں سے شدید تر ہوتا گیا حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت مُصْعَبؓ ایک دن موقع پا کر گھر سے بھاگ نکلے اور جو لوگ حبشہ جا رہے تھے ان کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ ایک مدت تک غریب الوطنی کی بے صعوبت زندگی بسر کی پھر واپس مکہ تشریف لے آئے اور اپنے آقا و مولا ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے۔ ہجرت کے مصائب نے ان کی رعنائی اور خوش پوشی کو خواب و خیال بنا دیا تھا۔ بوسیدہ اور موٹے جھوٹے کپڑے جن میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے ان کے زیب بدن تھے جسم کی نرم و نازک کھال موٹی اور کھر دری ہو گئی تھی۔ چہرہ اتر گیا تھا۔ رنگ برگِ خزاں رسیدہ کی طرح پیلا پڑ گیا تھا لیکن سینے میں وہی قلبِ مؤمن دھڑک رہا تھا جس نے اپنے آقا و مولا کی خدمت اور زہد و فقر کی زندگی کو عیش و تنعم کی ہزار زندگیوں پر ترجیح دی تھی۔ ایک دن حضرت مُصْعَبؓ دربارِ رسالت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ ان کے پاس ستر پوشی کے لیے صرف ایک بوسیدہ چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور ایک جگہ اس پر کھال کا پیوند لگا ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا

لیں۔ سرور کونین ﷺ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:-

”میں نے جب اس نوجوان کو دیکھا تھا تو اس وقت مکہ میں کوئی بھی اس سے زیادہ ناز و نعمت کا پروردہ اور خوشحال نہیں تھا لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت پر اس نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کر دیا ہے۔“

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے حضور ﷺ کی صحبت اطہر سے خوب خوب فیض اٹھایا اور کچھ عرصہ بعد وہ ایک عالم دین اور فقیہ سمجھے جانے لگے۔ ان دنوں انصارِ مدینہ کے ایک طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے پاس ایک ایسا شخص بھیجا جائے جو قرآن کی تعلیم دے سکے اور دین کو اچھی طرح سمجھا سکے۔ سرور کائنات ﷺ کی نگاہ انتخاب اس کام کے لیے حضرت مصعبؓ بن عمیر پر پڑی اور یوں وہ اسلام کے پہلے داعی بن کر مدینہ تشریف لے گئے۔

الوداع اے ارضِ مکہ الوداع

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے مدینہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نہایت احسن طریقہ سے نبایا۔ وہ علم کے بحرِ خاں اور حلم و انکسار میں یکتا تھے۔ ان کی شیریں مقامی اور بلند اخلاقی نے چپکے چپکے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ مدینہ میں ان کا معمول تھا کہ ادھر ادھر آتے جاتے وقت کندھے پر کبیل کا ایک چھوٹا سا کراٹکا لیتے جو اگلی طرف سے کیکر کے کانٹوں سے اٹکا ہوتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ لوگوں کی توجہ اور التفات کا مرکز بن گئے اور انصارِ مدینہ جو حق درجہ دارِ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ اگلے سال ۱۳ نبوت میں دینِ حق کا یہ کامیاب داعی تہتر (۷۳) مردوں اور دو عورتوں کو ساتھ لے کر حج کے موقع پر مکہ پہنچا۔ حضرت مصعبؓ کو نہ اپنا گھریا آیا اور نہ والدین۔ سیدھے نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچے اور اپنے قیامِ مدینہ کے تمام حالات و واقعات کی تفصیل سنائی۔ حضور ﷺ سن کر بہت مسرور ہوئے۔ حضرت مصعبؓ کے پاک نفس ہر اہی ان کی تبلیغ سے اتنے متاثر تھے کہ وہ جلد از جلد حضور ﷺ کے شربتِ دیدار سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے تھے لیکن سارا مکہ علمبردارانِ حق کا جانی دشمن بنا ہوا تھا اس لیے احتیاط لازم تھی۔

چند نچہ رات کی تاریکی میں وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت عقبہ ثانیہ سے مشرک ہوئے۔ حضرت مصعبؓ کی ماں کو جب بیٹے کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے انہیں بلا بھیجا۔ جب وہ اس کی پاس پہنچے تو اس نے انہیں بیکارعت ملامت کی اور رو رو کر ان سے کہا کہ اس نئے دین کو چھوڑ دو تیرے لیے میری آغوشِ محبت وا ہونے کو یہ قرار ہے۔ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا۔ ”ماں میں نے اللہ کے پسندیدہ دین کو برضا و رغبت قبول کیا ہے اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔“

اب ماں دھمکیوں پر اتر آئی اور کہا کہ تمہارا علاج وہی ہے جو تمہارے جش جانے سے پہلے کیا گیا تھا۔ حضرت مصعبؓ نے بھی اب تیور بدلے بولے:-
 ”ماں کیا تو مجھے زبردستی میرے دین سے پھیر سکتی ہے؟ یاد رکھ اگر اب کسی نے مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔“

اب ان کی ماں بے بس ہو کر بے تحاشا رونے لگی۔ حضرت مصعبؓ نے اسے نہایت نرمی سے سمجھایا۔ ”ماں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آؤ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔“
 لیکن کفر و شرک ماں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اس نے کہا: کو اکب درخشندہ کی قسم میں ہرگز تیرا دین قبول نہ کروں گی جا میری آنکھوں سے دور ہو جا۔“

حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں واپس آ گئے اور تین ماہ حضور ﷺ کی رفاقت ہی میں بسر کئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے بارہ دن قبل انہوں نے حضور ﷺ کے ایما پر ارض مکہ کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا اور ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

شہادت

۲ ہجری میں غزوہ بدر میں شریک تین سو حیرہ نفوسِ قدسی میں حضرت مصعبؓ بھی شامل تھے۔ جماعتِ مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے لڑائی میں جانبازی کا حق ادا کر دیا۔

۳ ہجری میں غزوہ اُحُد میں بھی حضور ﷺ نے علمبرداری کا شرف انہیں عطا کیا۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور رسول اللہ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی تو اس وقت مسلمانوں کے تین گروہ ہو گئے۔

ایک گروہ نے کہا۔ ”رسول اللہ کے بعد لڑنے سے کیا حاصل؟ اور یہ کہہ کر مدینہ کی طرف چل دیا۔

دوسرے گروہ نے کہا۔ ”حضور ﷺ کے بعد جینے سے کیا حاصل؟ اور یہ کہہ کر حصول شہادت کی خاطر مردانہ وار لشکرِ کفار میں گھس گیا۔

تیسرا گروہ وہ تھا جو حضور ﷺ کے ارد گرد حصار بنا کر آپ ﷺ کی حفاظت کر رہا تھا۔ یہ صرف چودہ نفوس پر مشتمل تھا۔

ان ثابت قدم مجاہدین میں جنہوں نے رسول اللہ کی شہادت کی خبر سنی تھی، حضرت مصعب بن عمیر بھی تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے نعرہ لگایا۔

”میں رسول اللہ کا علم سرنگوں نہیں ہونے دوں گا۔“

یہ کہہ کر ایک ہاتھ میں شمشیر برہنہ اور دوسرے میں علم لیے کفار پر ٹوٹ پڑے۔ اس حالت میں مشرکین کے مشہور شہسوار ابنِ قمیہ نے بڑھ کر تلواریں اُڑا دیں اور دہانا ہاتھ شہید کر ڈالا۔ حضرت مصعبؓ نے فوراً بائیں ہاتھ میں علم لیا۔ ابنِ قمیہ نے دوسرا ہاتھ بھی شہید کر دیا۔ انہوں نے کئے ہوئے بازوؤں کا حلقہ بنا کر علم کو سینے سے چمٹا لیا گویا تہیہ کیے ہوئے تھے کہ جب تک سانس میں سانس ہے علم اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیں گے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (ال عمران رکوع ۱۵)

ترجمہ:- ”اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔“

اس آیت کے پڑھنے سے ان کا مقصد بدول مسلمانوں کے حوصلے بندھانا تھا جو

یہ سن کر جی ہار بیٹھے تھے کہ رسول اللہ شہید ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ کو بھی رسول اللہ کی شہادت کا یقین ہو گیا تھا لیکن ان کا علم دینِ محبتِ نبوی کے فیض سے بہت وسیع ہو گیا تھا

اسی لیے بے اختیار ان کی زبان پر مذکورہ آیت مبارکہ جاری ہو گئی کہ لوگو اگر محمد رسول اللہ فوت ہو گئے تو ان سے پہلے بھی تو رسول فوت ہوتے رہے ہیں۔ تم اپنے اللہ کے لیے لڑو۔ بد بخت ابنِ قمریہ نے اب جھنجھلا کر ان پر نیزے کا ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کی انی ٹوٹ کر مصعبؓ کے علم و عشق سے معمور مقدس سینے میں رہ گئی اور وہ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ گرتے وقت ان کے بھائی ابوالرومؓ بن عمیر نے علم سنبھال لیا اور لڑائی ختم ہونے تک علم اسلام کو تھامے ہوئے حق شجاعت ادا کرتے رہے۔ جنگ کے بعد اس علم کو سرگلوں کیے بغیر مدینہ لائے۔

جب قریش میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے اور مسلمان اپنے شہداء کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مکہ کے جوانِ رعنا مصعبؓ بن عمیر چہرہ کے بل گرے ہوئے خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ حضور ﷺ نے جب ان کی لاش دیکھی تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (احزاب آیت ۲۳)

”مؤمنین میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا۔ بعض ان میں اپنے مدت پوری کر چکے اور بعض ابھی انتظار کر رہے ہیں اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیر تبدل نہیں کیا۔“

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ یہ آیت ان کے چچا حضرت انسؓ بن نضر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت انسؓ بن نضر کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ خاندانِ ”نجمار“ سے تھے اور رشتہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی سلطی کے بیچے ہوتے تھے۔ وہ بنو نجمار کے رُؤسا میں سے تھے۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا۔ غزوہ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے اس کا دلی صدمہ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ ”یا رسول اللہ افسوس کہ میں غزوہ بدر میں شریک ہونے سے محروم رہ گیا اگر اللہ نے مجھے مہلت دی تو دنیا دیکھے گی کہ آئندہ میں کیا کرتا ہوں۔“

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر فرمایا:-

”میں نے مکہ میں تمہارے جیسا حسین اور خوش لباس اور کوئی نہ دیکھا تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے۔ بیشک میں گواہی دیتا ہوں کہ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہیدوں میں ہو گے۔“

پھر ان کی تکفین کا حکم دیا۔ لیکن حضرت مصعبؓ کی چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اس سے سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں مستور کیے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔

بالآخر حضور ﷺ نے فرمایا کہ سر چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں کو اذخر گھاس سے چھپا کر اس شہید حق کو سپردِ خاک کر دو۔ صحابہؓ نے حکم کی تعمیل کی اور یوں وہ پیکرِ صدق و صفا دنیائے ظاہرین کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شوال ۳ھ میں غزوہٴ اُحُد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ حضورؐ کی شہادت کی خبر سن کر مسلمانوں میں سراپسنگی پھیلی تو حضرت انسؓ آگے بڑھے راستے میں حضرت سعدؓ بن معاذ سے ملاقات ہوئی تو کہا۔ ”کہاں جاتے ہو خدا کی قسم مجھے اُحد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔“ یہ کہہ کر تلوار ہاتھ میں لئے کفار کے جنگلے میں گھس گئے اور زخم پہ زخم کھاتے اس وقت تک لڑتے رہے جب تک زندگی نے ساتھ دیا۔ سارا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا اور لاش پہچانی نہ جاتی تھی۔ ان کی بہن رُبیعہ بنتِ نصر نے ہاتھ کی انگلی سے انہیں پہچانا۔ جسم پر تیریزے اور تلوار کے اتسی (۸۰) زخم تھے۔

ان کے حقیقی بھتیجے حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری پھوپھی رُبیعہ بنتِ نصر کے ہاتھ سے ایک انصاری لڑکی کا دانت ٹوٹ گیا اس کے لواحقین نے قصاص کا دعویٰ کیا اور حضورؐ نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ انسؓ بن نصر کو خبر ملی تو وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ”یا رسول اللہ خدا کی قسم رُبیعہ کا دانت نہ توڑا جائے گا۔“ حضورؐ نے فرمایا ”اللہ کا یہی حکم ہے۔“ خدا کا کرنا لڑکی کے دربارِ عدیت لینے پر راضی ہو گئے اور رُبیعہ کا دانت بچ گیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ خدا کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جب قسم کھاتے ہیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔

www.kitabosunnat.com

تین سوتیرہ میں سے ایک (۳۱۳)

راہِ حق کے تین سوتیرہ سرفروش

حضرت ابوایوب انصاریؓ ان تین سوتیرہ نفوسِ قدسی میں سے ایک ہیں جو ہجرت کے بعد کفر و اسلام کے معرکہِ اول ”غزوہ بدر“ میں اپنی بے سرد سامانی کے باوجود محض اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی کی خاطر کفر کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔ ”اصحاب بدر“ کی تعداد کی نسبت اربابِ سیر میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ تعداد ۳۰۶ اور بعض کے نزدیک ۳۱۲ یا ۳۱۷ تھی۔ لیکن اکثریت کے نزدیک ”اصحاب بدر“ تین سوتیرہ نفوسِ قدسی پر مشتمل تھے۔ جن میں سے ۳۰۵ میدانِ رزم میں شریک تھے اور آٹھ نے رسولِ اکرمؐ کے ارشاد کی تعمیل میں میدانِ رزم سے باہر رہ کر دوسرے کا رہائے مقوضہ انجام دیے۔ اصحابِ بدرؓ کی تعداد تین سوتیرہ سے کچھ کم ہو یا زیادہ بہر صورت حضرت ابوایوب انصاریؓ کا غزوہ بدر میں شرکت کرنا متفق علیہ ہے۔

بدری صحابہ کرامؓ کو تاریخِ اسلام میں بڑی اہمیت اور درجہ حاصل ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے متعدد مواقع پر اصحابِ بدر کی فضیلت بیان فرمائی اور ہمیشہ ان کو اعزاز و اکرام سے نوازا۔ ایک دفعہ حضور ﷺ مسجدِ نبویؐ میں صحابہ کرامؓ کے حلقے میں تشریف فرما تھے۔ مجلسِ اقدس میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اتنے میں کچھ بدری صحابہ وہاں آ گئے اور بیٹھنے کے لیے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ انہیں کھڑا دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور ان اصحاب سے جو غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ”تم اپنے بدری بھائیوں کے لیے جگہ خالی کر دو۔“ اس سے اصحابِ بدر کی فضیلت اور

قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

سرورِ کونین ﷺ کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں میں اصحابِ بدر کی فضیلت ہمیشہ مُسَلَّم رہی۔ فاروقِ اعظمؓ نے عراق اور شام کی فتوحات کے بعد جب لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو امہات المؤمنینؓ اور حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلبؑ کے بعد اصحابِ بدرؓ کو سب سے مُقَدَّم رکھا البتہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے روزینے (چار یا پانچ ہزار درہم فی کس) ان کے بدری نہ ہونے کے باوجود قرابتِ رسولؐ کی وجہ سے اصحابِ بدر کے برابر مقرر کیے۔

حضرت ابوالیوب انصاریؓ کے دوسرے فضائل بھی یوں تو کچھ کم نہیں لیکن ”اصحابِ بدر“ میں ان کی شرکت خاص شرف و امتیاز کی حامل ہے۔

غزوہ بدر کی اہمیت

غزوہ بدر جس میں شرکت کی بدولت ”اصحابِ بدر“ کو عظیم فضیلتیں حاصل ہوئیں تاریخِ اسلام میں بڑی اہمیت اور شہرت رکھتا ہے۔ اس جنگ میں مُٹھی بھر بے سروسامان فرزندانِ توحید کے ہاتھوں کفر و طاغوت کے بڑے بڑے باجروت بُت سرگنوں ہو گئے اور صنم کدوں میں ماتم و شیون برپا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو صداقتِ اسلام کی دلیل بنا دیا اور اسے ”یوم الفرقان“ کے نام سے پکارا۔ مکہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَيَوَلُّونَ الدُّبُرَ (القر: رکوع- ۳)

(عنقریب (کُفار کا) گروہ شکست کھائے گا (اور مسلمانوں کے مقابلہ میں)

پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔)

غزوہ بدر سے اس آیت میں بیان کردہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کمزوروں سے زبردستوں کو پہنچانے پر بھی قادر ہے۔ رَبُّ الْعِزَّتِ نے اپنی

حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب سرورِ عالم کی پھوپھی تھیں۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ ان کے حقیقی بھائی تھے اور خواری رسولؐ حضرت زبیر بن العوامؓ ان کے فرزند تھے۔ صحابیات میں ان کا بڑا درجہ ہے۔

قدرتِ کریمہ کو قرآنِ حکیم میں اس طرح بیان فرمایا:-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ

(۱۲۱ عمران آیت ۱۲۳)

ترجمہ:- یقیناً خدا نے بدر میں تمہاری مدد کی جبکہ تم کمزور تھے تو اللہ کے تقویٰ کو اختیار کرو تا کہ تم اس کے شکر گزار بن جاؤ۔

غزوہ بدر کی اہمیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ کیا جاسکے گا کہ لڑائی سے پہلے سرورِ کونین ﷺ ساری رات بیدار رہ کر مصروفِ عبادت رہے اور بارگاہِ رب العزت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ان الفاظ میں دعا مانگی۔

”الہی اگر تو نے اہل توحید کی اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر اس زمین پر تیری بندگی کرنے والا کوئی نہ رہے گا“ الہی تو نے مجھ سے مدد کا جو وعدہ کیا ہے اسے آج پورا کر۔“

اس وقت حضور ﷺ کی محویت کا یہ عالم تھا کہ ردائے مبارک دوشِ اقدس سے بارہا گر پڑتی تھی مگر آپ ﷺ کو احساس تک نہ ہوتا تھا۔ ربِّ ذوالجلال نے اپنے محبوب کی دعا قبول فرمائی اور ملائکہ کی فوجیں فرزندِ انِ توحید کی مدد کے لیے نازل فرمائیں۔ تاریخ و بیگز کی کتابوں میں غزوہ بدر کے حالات بڑی تفصیل سے دیے گئے ہیں۔ ہم اس کتاب میں اس کے اجمالی تذکرہ پر اکتفا کریں گے۔

غزوہ بدر کے اسباب و علل

ہادی اکرم ﷺ اگرچہ اپنے جان نثار رفقاء کے ساتھ مکہ سے تین سو میل دور مدینہ میں تشریف لے آئے تھے لیکن بدستور قریش مکہ کی آنکھوں کا کاٹنا بنے ہوئے تھے۔ ان بد بختوں نے ہجرتِ نبوی کے بعد بھی فرزندِ انِ توحید کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں اور شراغیزیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ پہلے انہوں نے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کو خط لکھا کہ محمد (ﷺ) سے لڑ دیا انہیں مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم مدینہ پر حملہ آور ہو کر تم کو قتل

کردیں گے۔ قریش کا خط ملنے پر عبداللہ اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں سے لڑنے پر کمر باندھی۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ منافقوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو سمجھایا کہ قریش کی دھمکی سے ڈر کر مسلمانوں سے تمہارا لڑنا اپنے ہی بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔

عبداللہ بن اُبیؓ اور اس کے ساتھی سمجھ گئے کہ مسلمانوں سے لڑنے میں فی الواقع ان کا اپنا ہی نقصان ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مفسدانہ ارادے سے باز آ گئے۔ لیکن ان کے دل مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں تھے اور وہ درپردہ قریش مکہ سے ملے ہوئے تھے۔ اسی طرح قریش نے یہودیہ کو بھی سازشی کارروائیوں کے ذریعہ اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ دشمنانِ حق کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لیے مسلمان ایک مدت تک راتوں کو جاگا کرتے تھے یا پھرے مقرر کر کے اور ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔

ہجرت کے چند دن بعد حضرت سعد بن معاذ انصاری (رئیس اوس) عمرہ کے لیے مکہ گئے اور وہاں امیہ بن خلف (رئیس مکہ) کے پاس قیام کیا۔ طواف کے لیے نکلے تو راستے میں ابو جہل مل گیا۔ اس نے حضرت سعد سے کہا ”تم صابیوں کو پناہ دے کر مکہ میں اطمینان سے پھر رہے ہو اگر امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو تم واپس گھر نہیں جاسکتے تھے۔“ حضرت سعد نے غضب ناک ہو کر جواب دیا۔ ”روک کر دیکھو تو سہی میں تمہارا مدینہ کا راستہ روک دوں گا۔“ امیہ نے بچ بچاؤ کرادیا لیکن اس واقعہ کی تلخی باقی رہ گئی۔

ربیع الاول ۲ھ میں قریش کے ایک جنگجو کرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ پر چھاپہ مارا اور شہر کی بیرونی چراگاہ سے اہل مدینہ کے اونٹ ہٹا کر لے گیا۔ حضور ﷺ نے مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ وادیِ سفوان تک اس کا تعاقب کیا لیکن کرز ہاتھ نہ آیا۔ اس قسم کی غارت گریوں کے ساتھ قریش بڑے زور شور کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ عناصرِ فساد و شر سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حضور ﷺ بھی مجاہدین کی

کرز بن جابر فہری بعد میں مسلمان ہو گئے۔ فتح مکہ کے دن جن دو یا تین مسلمانوں نے شہادت پائی حضرت کرز ان میں سے ایک تھے۔

تھیاریا بند جماعتیں ادھر ادھر بھیجتے رہتے تھے۔ غزوہ ابواء، بعثت عبیدہ بن حارث، بعثت حمزہؓ، غزوہ بواط، غزوہ بدر اولیٰ (جس میں کرز بن جابر فہری کا تعاقب کیا گیا) اور سرئیہ عبداللہ بن نحش انہی دنوں کی یادگار ہیں۔ ان میں سب سے اہم ”سرئیہ عبداللہ بن نحش“ ہے کیونکہ یہی سرئیہ قریش کے فوری اشتعال کا سبب بن گیا۔ جس کا نتیجہ ”غزوہ بدر“ کی صورت میں نکلا۔

سرئیہ عبداللہ بن نحش

رجب ۲ ہجری میں سرور کائنات ﷺ نے اپنے چھوٹے زاد بھائی حضرت عبداللہ بن نحش کو دس بارہ صحابہ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ کیا کہ قریش کے حالات کا پتا لگائیں۔ ان کی روانگی کے وقت حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط دے کر فرمایا کہ دودن کے سفر کے بعد اس خط کو پڑھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا۔ حضرت عبداللہ نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق دودن کے بعد یہ خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ مضمون لکھا پایا۔

”مقام نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ) میں جا کر ٹھہرو اور قریش کے حالات کا پتا لگاؤ۔ جس کی مرضی ہو تمہارے ساتھ رہے ورنہ واپس آ جائے۔“

حضرت عبداللہ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق نخلہ میں جا کر ٹھہر گئے۔ ان کے سب ساتھیوں نے بھی اسی جگہ قیام کیا۔ اتفاق سے قریش کے چند لوگ (شام یا طائف سے) تجارت کا سامان لیے ادھر آنکے۔ ان میں قریش کا ایک معزز شخص عمرو بن حضری بھی تھا۔ مسلمانوں نے اس کا قافلہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت واقد بن عبداللہ سہمی کے ایک تیر سے عمرو بن حضری مارا گیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ دو اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے اور باقی آدمیوں نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت عبداللہ قیدیوں اور مال غنیمت کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی

۱۔ اہل سیر نے بالعموم ہر ایسے معرکہ کو جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت فرمائی، غزوہ کا نام دیا ہے اور جس معرکہ میں حضورؐ نے لشکر بھیجا اور خود شریک نہ ہوئے اسے سرئیہ اور بعثت سے تعبیر کیا ہے۔

تھی۔“ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی انہیں ملامت کی کہ تم نے رسول اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر قافلہ لوٹا اور ماہِ حرام میں لڑے۔ حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں نے عذر پیش کیا کہ یہ کام ان سے اشتہاء والتباس کی بنا پر سرزد ہوا ہے اور وہ اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ چند دن بعد سرورِ کائنات ﷺ نے حکیم الہی کے مطابق ان لوگوں کی خطا معاف کر دی اور مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ دونوں اسیرانِ سریہ مُشْرِف بہ اسلام ہو گئے اور مدینہ ہی میں سکونت اختیار کر لی۔

قریش کی یلغار

عمرو بن حفصؓ کے قتل کی خبر سن کر قریش کی آتشِ عداوت بڑی طرح بھڑک اٹھی اور وہ جوشِ انتقام سے بیترا ہو گئے۔ چند دن پہلے انہوں نے ایک عظیم الشان قافلہ تجارت ابوسفیانؓ کی سرکردگی میں شام روانہ کیا تھا۔ اب وہ اس قافلہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں عمرو بن حفصؓ کا واقعہ پیش آیا اور پھر چند دن بعد مکہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مسلمان قریش کے قافلہ تجارت کو لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب قریش کے غیظ و غضب کا جہنم پوری طرح بھڑک اٹھا اور ان کے ایک ہزار سے زیادہ جنگجو زبردست ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اس لشکر میں سات سو اونٹ، تین سو گھوڑے اور ایک زرہ پوش رسالہ تھا۔ ابولہب کے سوا (جس نے کسی مجبوری کی وجہ سے اپنی جگہ ایک اور آدمی بھیج دیا) تمام رؤسائے قریش عمرو بن ہشامؓ (ابو جہل)، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، سعید بن عاص، حارث بن عامر، ابوالخیر بن ہشامؓ، ولید بن عتبہ وغیرہ شامل تھے۔ سہ سالار لشکر عتبہ بن ربیعہ تھا۔ اس پُر فروش لشکر نے بدر کے قریب جا کر قیام کیا۔ بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اتنی میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کے قریب ایک چشمہ یا کنواں تھا۔ یہاں ہر سال ایک میلہ لگتا تھا۔ اس سے زیادہ اس مقام کی کچھ اہمیت نہ تھی۔ لیکن (ہجرت کے بعد) کفر و اسلام کے معرکہ اول کی بدولت اس مقام کو حیاتِ ابدی

۱۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قریش کا ہر ایک سپاہی زرہ پوش تھا۔

حاصل ہوگئی..... بدر پہنچ کر قریش کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا قافلہ خیریت سے مکہ کی طرف چلا گیا ہے۔ عتبہ بن ربیعہ اور کچھ دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ اب لڑنے سے کچھ حاصل نہیں لیکن ابو جہل اور بعض دوسرے بااثر سردارانِ قریش لڑنے پر مُصر تھے۔ انہوں نے لشکر کو ایسا مشتعل کیا کہ سب لڑنے مرنے پر محل گئے۔

انصار کا جوشِ جہاد

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی لشکر کشی کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور ساری صورتِ حال ان کے سامنے رکھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت مقداد بن عمروؓ نے اس موقع پر نہایت پُر جوش تقریریں کیں اور کہا کہ ہم راہِ حق میں اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ یہ تینوں جاباز مہاجر تھے۔ رسولِ کریم ﷺ انصار کا منشا بھی معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ بیعت کے وقت انہوں نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ ہم مدینہ سے باہر جا کر بھی دشمن سے لڑیں گے۔ حضور ﷺ نے انصار کی طرف دیکھا (ایک روایت کے مطابق فرمایا کہ اب دوسرے حضرات بھی مشورہ دیں۔) رئیسِ اوس حضرت سعد بن معاذؓ ہادیِ اکرم ﷺ کا اشارہ سمجھ گئے۔ معاٹھ کھڑے ہوئے اور پُر جوش لہجہ میں عرض کی۔ ”یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے“ آپ کی رسالت کی تصدیق کی“ آپ کی فرمانبرداری کا عہد کیا۔ پس جو بھی مرضی مبارک میں ہو وہ کیجیے۔ رَبِّ اکبر کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم کود جائیں گے۔ ہمارا ایک تنفس بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اِنْ شَاءَ اللہ آپ ہمیں میدانِ جنگ میں ثابت قدم اور شجاع پائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا۔“

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر رئیسِ خزرج حضرت سعد بن عبادہ نے یہ تقریر کی:-

”یا رسول اللہ شاید آپ کا اشارہ انصار کی طرف ہے اگر آپ سمندر کا حکم

دیں تو ہم اسے پامال کر دیں اور خشکی کا حکم دیں تو برک غماد (جس یا یمن کی ایک جگہ کا نام) تک اونٹوں کے کلیجے پکھلا دیں۔“

انصار کا جوشِ جہاد اور جذبہٴ فدویت دیکھ کر حضور ﷺ کا چہرہ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ غرض ۱۲ رمضان المبارک ۲ ہجری مطابق ۹ مارچ ۶۲۳ء کو رسول اکرم ﷺ تقریباً تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مقدس لشکر میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ساٹھ اونٹ تھے۔ روانگی سے پہلے حضور ﷺ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمندر کو مدینہ کا اور حضرت عاصم بن عدی کو قبا کا حاکم مقرر فرمایا۔

میدانِ بدر میں

مجاہدینِ اسلام پانچویں دن یعنی ۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کو میدانِ بدر میں پہنچے۔ قریش پہلے سے موجود تھے اور انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کی قیام گاہ کے نیچے زمین ریتیلی تھی جس میں آدمیوں اور اونٹوں کے پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر چشے (یا کنوئیں) پر قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ کاملہ سے مینہ برسا دیا جس سے مسلمانوں کی طرف کی زمین جم کر سخت ہو گئی۔ کفارِ نبی جگہ میں خیمہ زن تھے ان کی قیام گاہ میں ہر طرف کچڑ ہو گئی۔ مسلمان چاہتے تو کفار پر پانی بند کر سکتے تھے لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے گوارا نہ کیا کہ دشمن پانی کو ترسیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ پانی لینے سے کسی کو منع نہ کیا جائے۔ مسلمانوں نے بارش کے پانی سے بھی فائدہ اٹھایا اور اسے روک کر متعدد حوض بنا لیے جن سے وضو اور غسل کا کام لیا جاتا تھا۔ رات ہوئی تو صحابہ کرامؓ ہتھیار کھول کر سو گئے۔ البتہ سرورِ کونین ﷺ ساری رات بیدار رہ کر مصروفِ دُعا رہے۔ صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ نے صفِ آرائی شروع کی۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعب بن عمیرؓ، خزرج کا حضرت حبابؓ، بن منذر اور اوس کا حضرت سعد بن معاذؓ کو عنایت فرمایا۔ حضرت ابویوبؓ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جس وقت ہم لوگ تیار ہوئے تو کچھ لوگ صف سے باہر نکل کر کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”میرے

ساتھ رہو۔“ صف بندی کے بعد حضور ﷺ نے بارگاہِ ربِّ العزت میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے کہ ”الہی تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے آج پورا فرما۔“

ایک عجیب نظارہ

غزوہ بدر میں جب تین سو تیرہ ۳۱۳ نفوسِ قدسی و شہیدانِ حق کے مقابلے میں صفِ آرا ہوئے تو چرخِ نیلی فام نے ایک عجیب نظارہ دیکھا کہ بیٹے کے مقابلے میں باپ، بھائی کے مقابلے میں بھائی، چچا کے مقابلے میں بھتیجا، بھانجے کے مقابلے میں ماموں (و علیٰ ہذا القیاس) جان کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ دینِ حق کے نام لیواؤں نے اعلان کر دیا تھا کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ خونِ رنگِ نسل کے سب رشتے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کے سامنے چھ ہیں تا آنکہ لات و عزیٰ کے پجاری خدائے واحد پر ایمان لا کر ہماری ملت میں شامل نہ ہو جائیں حتیٰ تَوْمُنُوا بِاللّٰهِ وَحَدَّةً

تاریخ نے ان عجیب و غریب حریفوں میں سے بعض کے نام محفوظ کر لیے ہیں۔
مندرجہ ذیل تقابل ملاحظہ فرمائیے:-

علمبردارانِ حق	پرستارانِ باطل
سرورِ کائنات آقائے دو جہاں فخر الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱- آپ کے داماد ابوالعاص ۲- آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ۳- آپ ﷺ کے دوسرے عم زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ۴- آپ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب ۵- آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی مسعود بن ابی امیہ

۶۔ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب	
ان کے برادر حقیقی عقیل بن ابی طالب اور چچا عباسؓ بن عبدالمطلب	شیر خدا حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ
ان کے بھائی عباس بن عبدالمطلب اور بھتیجے عقیل بن ابی طالب	سید الشہداء حمزہؓ بن عبدالمطلب
۱۔ ان کا باپ عتبہ بن ربیعہ ۲۔ ان کا چچا شیبہ بن ربیعہ ۳۔ ان کا بھانجا حظلہ بن ابی سفیان ۴۔ ان کا بھائی ولید بن عتبہ	حضرت ابوحنظہؓ بن عتبہ
ان کے فرزند عبد الرحمن بن ابی بکرؓ	حضرت ابوبکر صدیقؓ
ان کا ماموں عاصی بن ہاشم	حضرت عمر فاروقؓ
ان کا چچازاد بھائی حارث بن عامر	حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب بن عبدمناف
ان کا بھائی ابو عزیز بن عمیر	حضرت مصعبؓ بن عمیر
ان کا خسر عقبہ بن ابی معیط	حضرت عبد الرحمنؓ بن عوف
ان کا باپ عبد اللہ بن جراح	حضرت ابو عبیدہ عامر بن عبد اللہ بن جراح
ان کا بھائی اسود بن عبد الاسد	حضرت ابوسلمہؓ بن عبد الاسد
ان کا چچا عمرو بن عثمان	حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ
ان کا والد سہیل بن عمرو	حضرت عبد اللہؓ بن سہیل
ان کا اخیانی بھائی ابو جہل	حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ

پرستارِ ان حق کے جوشِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فرزند عبدالرحمنؓ ایمان لائے تو ایک دن انہوں نے اپنے پدر گرامی سے کہا۔ ”ابا جان غزوہ بدر میں آپ ایک بار (بروایت دیگر کئی بار) میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔“ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا۔ ”اے بیٹے اگر تو اس دن میری تلوار کی زد پر آ جاتا تو خدا کی قسم تیری گردن اڑا دیتا۔“ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے مشرک ہاموں عاصی بن ہاشم کو عینِ معرکہ کارزار میں جہنم واصل کیا۔ حضرت ابو عبیدہ عامرؓ کا مشرک باپ عبداللہ بن جراح ان کی شمشیر اجل کا نشانہ بن گیا اور نسی و خونی تعلق انہیں اپنا فرض ادا کرنے سے نہ روک سکا۔ سلام ان پر کہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ماں باپ بھائی زن و فرزند مال و دولت سب چھوڑ دیے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے فرزند حضرت عبدالرحمنؓ کے غزوہ بدر میں ایک دوسرے کے مقابل ہونے کے واقعہ کو حافظ محمد اسلم حیرانچوری مرحوم نے ایک ایمان افروز نظم میں اس طرح پیش کیا ہے۔

پہر حضرت صدیقؓ وہ عبدالرحمنؓ جو کہ تقویٰ میں تھے بیشک شجاعت میں مثل
معر اور شام کی جنگوں میں جو جو کیے کام
نہایت صفحہ تاریخ ہیں ان کے وہ عمل
ہاتھ تیغ تھی یا برق پے خرمن کفر
دیکھ کے دل جسے کُفار کے جاتے تھے دہل
سلطنت حق کا زمانہ پہ بٹھایا رستہ
چمن دہر سے باطل کو کیا متاصل
تھے شریک صفِ اعداء پہ جنگ و جدل
بدر تک ان کو نہ اسلام پہ آیا تھا یقین
نور توفیق الہی نے دکھائی مشعل
بعد ازاں لائے اسلام وہ والا مہر
غزوہ بدر کا کچھ تذکرہ آیا جو نکل
بزمِ اصحابِ رسولِ عربیؐ میں اک روز
حملہ آور جو ہوئی بدر میں صفِ اوّل
بولے یہ حضرت صدیقؓ سے عبدالرحمنؓ
سخت موقع تھا جو نیت میں کہیں آئے رطل
ایک بار آپ وہاں آ گئے میری زد پر
دوسری سمت کو رُخ اپنا لیا میں نے بدل
پاسِ ناموسِ حقوقِ پدری نے روکا
راو حق میں نہیں رشتہ کی رعایت کا محل
سن کے یہ حضرت صدیقؓ نے ارشاد کیا

تو میری زد پر جو آتا تو نہ بچ کر جاتا یہ میری تیغ تھی تیرے لیے پیغام اجل
 دشمن حق سے مسلمان کی قرابت کیسی
 اس کا رشتہ ہے فقط حُب خدا عزوجل

لڑائی کا آغاز

جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس وقت عرب میں بالخصوص اور دوسرے ممالک میں بالعموم یہ دستور تھا کہ مخالف فوجیں عام لڑائی سے پہلے مبارزہ کیا کرتی تھیں یعنی ایک ایک دو دو آدمی نکل کر مخالف فریق کے اتنے ہی آدمیوں کو لڑنے کے لیے لٹکارتے تھے۔ چنانچہ میدان بدر میں جب شرارِ بولہبی چراغِ مصطفویٰ سے ستیزہ کار ہوا تو کفار کی طرف سے سب سے پہلی عامر بن حضری نکلا اور اس نے لشکرِ اسلام کو دعوتِ مبارزت دی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت مہجّج بن صالح یمینی جھپٹ کر نکلے وہ کچھ عرصہ پہلے حضرت عمر فاروقؓ کے غلام تھے۔ فاروقِ اعظمؓ نے انہیں راہِ خدا میں آزاد کر دیا تھا۔ حضرت مہجّج کے دل میں شوقِ شہادت چمکیاں لے رہا تھا انہوں نے اپنے حریف کی جنگی مہارت کی قطعاً پروانہ کی اور فوراً اس کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ مقدور بھر دادِ شجاعت دی اور آخر عامر کے ہاتھوں جامِ شہادت پیا۔ بدر کے میدان میں یہ پہلا خون تھا جو اللہ کے راستے میں گرا۔ مہجّج کی شہادت کے بعد عامر اکڑتا ہوا اپنے لشکر میں چلا گیا۔ اس کے بعد قریش مکہ کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اکڑتے ہوئے نکلے۔ یہ تینوں قریش کے نامی بہادر تھے۔ عتبہ نے اپنے سینہ پر شتر مرغ کے پر کا امتیازی نشان لگا رکھا تھا۔ ان تینوں نے علمبردارِ انِ حق کو دعوتِ مبارزت دی۔ تمین انصاری عاشقانِ رسولؐ معاذؓ، معوذؓ اور عوفؓ پسرانِ حارث ان کے مقابلہ کے لیے نکلے (بعض مؤرخوں نے عوفؓ بن حارث کی جگہ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری کا نام لکھا ہے) عتبہ نے ان کا حسبِ نسب پوچھا۔ جب انہوں نے بتایا تو عتبہ پکارا۔ ”محمد (ﷺ)! یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں ہماری قوم اور کفو کے آدمی ہمارے مقابلے پر بھیجو۔“

حضور ﷺ نے شیرِ خدا حمزہؓ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور عبیدہؓ بن حارث کو حکم دیا کہ جاؤ اور راہِ خدا میں لڑو۔ یہ تینوں قریشی تھے۔ عقبہ نے انہیں دیکھ کر کہا۔ ”ہاں اب یہ ہمارے جوڑ کے ہیں۔“

عقبہ نے حضرت حمزہؓ اور ولیدؓ نے حضرت علیؓ سے مقابلہ کیا اور عبیدہؓ شبیہ سے معرکہ آراء ہوئے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے آنافانا اپنے حریفوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا البتہ عبیدہؓ جو معمر تھے اور بنو عبد مناف کے سب لوگوں سے عمر میں بڑے تھے شبیہ کی تلوار سے شدید زخمی ہو گئے حضرت علیؓ حضرت عبیدہؓ کی مدد کو بڑھے اور انہوں نے ایک ہی وار میں شبیہ کو تارِ جہنم کے حوالے کر دیا۔ طیمہ بن عدی بن نوفل جوش میں آ کر آگے بڑھا۔ حضرت حمزہؓ کی شمشیرِ خارا شگاف نے اسے بھی خاک و خون میں لوٹا دیا۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ حضرت عبیدہؓ کو کمر پر ڈال کر رسولِ کریم ﷺ کے سامنے لائے۔ عبیدہؓ نے بے تابانہ عرض کی۔ ”یا رسول اللہ کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”نہیں تم نے درجہ شہادت حاصل کر لیا۔“

زخمی عبیدہؓ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ بے اختیار ان کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں ۱

ونسلمہ حتی نصرع حوله

ونذهل عن ابناءنا والحلائل

ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے گرد و گرد مر جائیں گے۔

ہم محمد (ﷺ) کے لیے اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں گے

اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی اور دونوں فوجیں ایک دوسرے سے ٹکھ گئیں۔

جس وقت میدانِ بدر میں حق و باطل کے درمیان گھمسان کا رن پڑ رہا تھا سرورِ کائنات ﷺ

۱۔ جاں نثار رسول حضرت عبیدہؓ نے بدر سے مراجعت کے بعد وادیِ مفراس میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے آپ کو اقیامِ ابوطالب کے مذکورہ شعر کا مستحق بنالیا۔

میدان کے کنارے پتھر کے ایک سائبان میں تشریف فرما تھے اور فرزند ان توحید کی نصرت کے لیے دست بدعا تھے۔ حق و باطل کے اس معرکہ عظیم کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

شوق شہادت کی انتہا

جب مشرکین مسلمانوں کے نزدیک آگئے تو سرور کائنات ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اٹھو اور بہشت کی طرف بڑھو جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کی طرح ہے۔

حضرت عمیرؓ بن حمام انصاری بھی ان صحابہ میں موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ! اُس بہشت کی طرف جس کا عرض ارض و سما کا عرض ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ”ہاں“

حضرت عمیرؓ بن حمام نے بے ساختہ کہا۔ ”بخ بخ (یعنی واہ وا) حضور ﷺ نے پوچھا۔ ”تمہیں کس چیز نے واہ وا کہنے پر آمادہ کیا۔“

عمیرؓ نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ! اللہ کی قسم میں نے یہ کلمہ اس امید پر کہا کہ میں بھی اہل بہشت میں سے ہو جاؤں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”بیشک تم بھی بہشت والوں سے ہو۔“

حضرت عمیرؓ اپنی جھولی سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر شوق شہادت میں بیتاب ہو کر کہا۔ ”اگر میں ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار کروں تو یہ بہت طویل زندگی ہے۔“

یہ کہہ کر باقی کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار پکڑ کر مردانہ وار صفِ اعداء میں گھس گئے۔ بہت سے دشمنوں نے زخم میں لے لیا۔ مشاق بہشت عمیرؓ نہایت پامردی اور جانبازی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔^۱

۱۔ صحیح مسلم میں اس واقعہ کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت جابرؓ سے منقول ہے۔ اس میں نام کی تصریح نہیں کی گئی۔ اور واقعہ کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واہ وا اے حارثہؓ

حارثہ بن سراقہ انصاری مشہور صحابیہ حضرت رُبیع بنت نضر کے اطاعت گزار بیٹے تھے۔ سراقہ ہجرت نبوی سے قبل فوت ہو گئے تھے اور رُبیع اپنے بیٹے ہی کے سہارے پر زندگی کے دن کاٹ رہی تھیں۔ سعادت مند بیٹا ماں کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورت کا بھی خیال رکھتا تھا اور ماں اپنے بیٹے کی سعادت مندی پر سوجان سے فدا تھیں۔ جب اسلام کی نورانی کرنوں نے سر زمین یثرب کو منور کیا تو دونوں ماں بیٹا دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے۔

ایک دن رحمتِ دو عالم ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں حارثہ سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا ”صبح کیسے اٹھے؟“ جواب دیا۔ ”یا رسول اللہ اس طرح کہ مسلم صادق ہوں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”سوچ کر جواب دو ہر بات کی کوئی اصلیت ہوتی ہے۔“ حارثہ نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ دنیا سے کنارہ کر لیا ہے رات کو روان اور دن کو تشنہ لب رہتا ہوں۔ اس وقت اپنے آپ کو عرش کی جانب مائل بہ پرواز محسوس کر رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ دوزخی دوزخ میں جا رہے ہیں اور جنتی جنت میں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جس بندہ حق کا سینہ اللہ پر کُور کر دے وہ اپنے خالق سے جدا نہیں ہوتا۔“

حارثہؓ نے عرض کی ”یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ ذاتِ احد مجھے رحمہ شہادت پر فائز کرے۔“ حضور ﷺ نے ان کی استدعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان کے لیے شہادت کی دعا کی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد غزوہ بدر پیش آ گیا۔ حضرت حارثہؓ اس میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔ گھوڑے پر سوار تھے اور سب سے پہلے میدانِ جہاد کی طرف روانہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

”یا رسول اللہ ﷺ!! اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا۔“ حضورؐ نے فرمایا۔ ”جنت میں“ اس شخص کے ہاتھ میں کچھ چھوہارے تھے اس نے زمین پر پھینک دیے پھر مشرکین سے ایسا لڑا کہ شہید ہو گیا۔

ہوئے۔ ایک حوض پر پانی پیا رہے تھے کہ ایک مشرک نے تاک کر تیر مارا۔ حضرت حارثؓ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے اور انصار میں سب سے پہلے رسول کریم ﷺ پر اپنی جان قربان کر دی۔

ماں کو اپنے سعادت مند فرزند سے بے پناہ محبت تھی۔ غزوہ سے واپسی پر باویدہؓ غم رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ ”یا رسول اللہ میں اپنے اطاعت گزار فرزند پر دیوانہ وار فدا تھی۔ اگر وہ جنت میں گیا ہے تو خیر ورنہ آپ دیکھیں گے کہ میں اپنا کیا حال بناتی ہوں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جنت کیا حارثؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس عطا کی ہے۔“ فدائے حق ماں خیر البشر ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے بیٹے کے لیے جنت الفردوس کی بشارت سن کر نہال ہو گئیں۔ لیوں پر بے اختیار تبسم آ گیا اور کہنے لگیں:-

”بی بی یا حارثؓ یعنی واہ وا اے حارثؓ!“

ابو البختری کا قتل

حضرت عبداللہ (مجتہد) بن زیاد انصاری رسول اللہ ﷺ کے عاشق صادق تھے غزوہ بدر میں جان ہتھیلی پر رکھ کر مصروفِ و غارتھے کہ ان کا سامنا ربیع مکہ ابو البختری سے ہو گیا۔ وہ اپنے ایک رفیق جنادہ بن لمیمہ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھا۔ ابو البختری ایک شریف الطبع انسان تھا اس نے مکہ میں کئی مواقع پر رسول کریم ﷺ کی مدد کی تھی۔ اس لیے حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اس کے قتل کی ممانعت فرمادی تھی۔

حضرت مجتہد بن زیاد نے اسے دیکھ کر کہا۔ ”رسول کریم ﷺ نے تمہارے قتل کی ممانعت فرمائی ہے اس لیے میں تمہیں چھوڑتا ہوں۔“

ابو البختری نے کہا۔ ”کیا میرے ساتھی کو بھی چھوڑتے ہو؟“

مجتہد نے کہا۔ ”اے کیوں چھوڑو؟“ رسول اللہ نے صرف تمہاری جاں بخشی کا حکم

دیا ہے۔“

ابوالہتری نے جواب دیا۔ ”یہ کبھی نہ ہوگا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ دوں۔ قریش کی عورتیں مجھے خود غرض کہیں گی۔

لن یسلم ابن حریۃ زمیلہ

حتی یموت او یری سبیلہ

(کسی آزاد عورت کا بیٹا اپنے رفیق کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ مرنے جائے یا وہ اپنا رستہ نہ دیکھ لے۔)

یہ کہہ کر اونٹ سے کود پڑا اور حضرت ہبذؓ پر حملہ آور ہوا۔ وہ جنونِ عشق میں سر مست تھے مجبور ہو کر ہاتھ اٹھایا اور تلوار کے ایک ہی وار سے ابوالہتری کو کاٹ کر رکھ دیا لیکن رسول کریم ﷺ کا حکم یاد آیا تو جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ دست بستہ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ”یا رسول اللہ ربِّ ذوالجلال کی قسم میں نے ابوالہتری کو زندہ پکڑ کر آپ کی خدمت میں لانے کی بہتری کوشش کی لیکن وہ لڑائی کے سوا کسی چیز پر راضی نہ ہوا اور میرے ہاتھ سے مارا گیا۔“

حضور ﷺ نے ان کا عذر معقول سمجھ کر درگزر فرمایا۔

ابو جہل کا قتل

معاذ بن عفرہ اور معاذ بن عمرو بن جموح مدینہ کے دو انصاری نوجوان تھے۔

جنگِ اُحُد میں بھی حضرت ہبذؓ بھائی کی تیغ جفا کا شکار ہو گئے۔ زمانہ جاہلیت میں انہوں نے سوید بن صامت کو قتل کیا تھا اس کا بیٹا حارث مسلمان ہو گیا تھا لیکن ہبذؓ کی طرف سے اپنا دل صاف نہ کیا تھا۔ جنگِ اُحُد کے دن موقع پا کر اس نے حضرت ہبذؓ کو شہید کر ڈالا اور اسلام سے برگشتہ ہو کر مکہ بھاگ گیا حضورؐ کو اس کی ناپاک حرکت سے بہت صدمہ پہنچا۔ فتح مکہ کے دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اسے ہبذؓ کے عوض قتل کرادیا۔ ہبذؓ کے ایک دلی دوست حضرت عبداللہ بن سلمہ انصاری تھے۔ اُحُد کے دن سفرِ آخرت میں انہوں نے بھی اپنے دوست کا ساتھ دیا اور معرکہ کارزار میں عبداللہ بن زہری کے ہاتھوں جامِ شہادت پیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں والہانہ محبت تھی۔ انہوں نے کہیں سے سنا کہ ربیعہ مکہ ابو جہل ان کے آقا کو گالیاں دیتا ہے۔ دونوں کا خون کھول اٹھا اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ جب بھی موقع ملا اس دشمن خدا کو قتل کر دیں گے۔

غزوہ بدر کے دن انہیں معلوم ہوا کہ ابو جہل بھی مشرکین کے لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ دونوں اس کی تلاش میں نکلے۔ پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے ڈھونڈنے میں وقت ہوئی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کہیں ان کے پاس تھے۔ دونوں میں سے ایک نے ان سے پوچھا۔ ”عم محترم کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں۔“

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ان کی طرف حیرت سے دیکھا اور کہا۔ ”ہاں بھیجے پہچانتا ہوں لیکن تمہیں اس سے کیا کام؟“ وہ بولے۔ ”میں نے سنا ہے وہ ہمارے رسول پاک ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں اس کو ڈھونڈ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں جب تک اسے ہلاک نہ کر دوں یا اپنی جان نہ دے بیٹھوں۔“

دوسرے نوجوان نے بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا۔ حضرت عبدالرحمن کو ان نوجوانوں کے جذبہ جاں نثاری پر بہت حیرت ہوئی۔ اتنے میں مشرکین کے لشکر میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دونوں دوستوں کی لاشیں ایک ہی اونٹ پر رکھی گئیں۔ عبداللہ بہت خومند اور فریہ تھے اور تھوڑا دھان پان جسم کے تھے لیکن دونوں لاشوں کا توازن اونٹ پر قائم رہا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ تو لڑکوں تھوڑے وزنی اعمال کی وجہ سے ہے۔

حضرت تھوڑا اور عبداللہ بن سلمہ دونوں انصار کے قبیلہ بکلی سے تھے۔ دونوں نے ہجرت نبویؐ کے بعد اسلام قبول کیا اور دونوں نے غزوہ بدر میں بھی نہایت پامردی سے وادِ شجاعت دی۔ یہ روایت غیس اور صحیح مسلم کی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت یہ ہے کہ ابو جہل کو معاذ اور معوذہ دو انصاری بھائیوں نے قتل کیا۔ غیس کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو نے ابو جہل کو گھائل کر دیا تو معوذہ بن عفراء بھی وہاں جا پہنچے اور انہوں نے بھی ابو جہل پر تلوار کے وار کیے۔

اتنا ثابت ہے کہ معوذہ نے غزوہ بدر میں جامِ شہادت پیا۔

ابو جہل گھوڑا دوڑاتا نظر آیا۔ حضرت عبدالرحمنؓ نے اشارہ سے بتایا۔ ”وہ رہا ابو جہل“ دونوں نوجوان تیر کی طرح ابو جہل کی طرف لپکے۔ قریب پہنچ کر ایک نے ابو جہل کے گھوڑے پر تلوار کا وار کیا اور دوسرے نے ابو جہل کی ٹانگ پر۔ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آ رہے۔ اب دونوں نے اس پر پے درپے تلواروں کے وار شروع کر دیے۔ عکرمہ بن ابی جہل پاس ہی تھا اس نے لپک کر تلوار کا ایک بھر پور وار معاذ بن عمرو بن جموح کے شانے پر کیا۔ شانہ کٹ گیا اور صرف کھال سے لٹکا ہوا رہ گیا۔ معاذ نے اس لٹکے ہوئے بازو کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر لڑائی میں مصروف ہو گئے جب لڑنے میں دقت ہوئی تو ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا۔ کھال کا تسمہ ٹوٹ گیا اور انہوں نے اپنے شہید بازو کو دور پھینک دیا۔ دوسرے نوجوان معاذ بن عفراء پر ایک اور مشرک ابن ماعض زریقی نے حملہ کیا اور انہیں شدید زخمی کر دیا۔ دوسری طرف ابو جہل بھی قریب قریب ختم ہو گیا تھا۔ اتنے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہنچ گئے۔ انہوں نے اس دشمن خدا کی چھاتی پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا اور دوڑتے ہوئے سر در کونین ﷺ کے پاس پہنچے۔ حضور ﷺ نے ابو جہل کا سر دیکھا تو زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

مَاتَ فِرْعَوْنُ هَذِهِ الْأَمَّةِ

(آج اس امت کا فرعون مر گیا)

ادھر دونوں ہمنام عاشقانِ رسول ﷺ خون میں نہائے ہوئے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ”یا رسول اللہ ہم نے ابو جہل کو جہنم واصل کر دیا ہے۔“ حضور ﷺ نے پوچھا۔ ”تم نے اپنی تلواریں دھو ڈالی ہیں یا نہیں؟“ دونوں نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ نہیں ابھی ابو جہل کا ناپاک خون ان سے ٹپک رہا ہے۔“ حضور ﷺ نے خون آلودہ تلواریں دیکھیں اور فرمایا:-

”بیشک تم دونوں نے ابو جہل کو قتل کیا ہے۔“

فتحِ مبین

کُفار کے حوصلے پست کرنے کے لیے عقبہ اور ابو جہل کا قتل ہی کچھ کم نہ تھا لیکن تھوڑی دیر میں جب ان کے دوسرے بڑے بڑے سردار ولید بن عقبہ، عاص بن ہشام، حارث بن عامر، شیبہ بن ربیعہ، زمعہ بن الاسود اور منبہ بن الحجاج وغیرہ بھی خاک و خون میں لوٹ گئے تو انہوں نے بد دل ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور مٹی بھر فرزدانِ توحید کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سے تین گنا دشمنوں پر فتحِ مبین عطا فرمائی۔ قریش کے قریبا ستر آدمی ہلاک اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ اسیرانِ جنگ میں اسلام کے بدترین دشمن عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے۔ ان کو رسولِ اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق جہنم واصل کر دیا گیا۔ دوسرے قیدی دو دو چار کی گٹھریوں میں صحابہ کرام میں تقسیم کر دیے گئے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ جن کے پاس کپڑے نہ ہوں انہیں کپڑے پہناؤ، ان کو کھانا کھلاؤ خواہ تمہیں خود بھوکا رہنا پڑے، انہیں آرام سے سلاؤ اور ہر طرح ان کی خدمت کرو۔ اسیرانِ جنگ پر رحمتِ عالم ﷺ کی نظرِ کرم فی الحقیقت تاریخ میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ ان قیدیوں کو مسلمانوں نے مہمانانِ عزیز کی طرح رکھا۔ یہاں تک کہ قریش نے فدیہ دے کر ان کو واپس لے لیا۔ جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ نہ ادا کر سکتے تھے انہیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے انہیں حکم ہوا کہ اپنے فدیہ میں وہ دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھادیں۔ حضرت ابوالیوب انصاریؓ نے اس غزوہ میں مطلب بن حطب کو گرفتار کیا تھا چونکہ وہ مفلس تھا اس لیے بعد میں اسے فدیہ لیے بغیر آزاد کر دیا گیا۔ لڑائی میں مسلمانوں کے چودہ آدمیوں نے شہادت پائی جن میں ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے۔

غزوہ بدر کی دو خصوصیتیں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ اس غزوہ کا حال رَبُّ الْعِزَّتِ نے خود قرآنِ کریم (سورۃ انفال) میں تفصیل سے بیان فرمایا۔ دوسری یہ کہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خاص طریقوں سے تائید و نصرت فرمائی۔ ہماری مراد زُورِ ملائکہ

اور مسلمانوں کی تعداد کو کُفار کی نظر میں دو گنا دکھانے سے ہے۔ اہل عمران میں اس کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ يَرْوَنَّهُمْ مِثْلَيْنِهُمْ رَأَى الْعَيْنِ O (وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے) نزولِ ملائکہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن ملائکہ سفید عمامے باندھ کر نازل ہوئے جن کے شیلے پیچھے کی طرف تھے۔

غزوہ بدر فی الحقیقت شوکتِ اسلام کا سنگِ بنیاد تھا۔ مسلمانوں کی فتح مبین قریش کے اقتدار پر کاری ضرب کی حیثیت رکھتی تھی۔ مگر معظمہ میں ہزیمتِ کُفار کی خبر سے کہرام مچ گیا اور گھر گھر صفرِ ماتم بچھ گئی لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرادی کہ کوئی شخص ماتم و شیون نہ کرے اور اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی تیاری کرے۔

قریش کا یہی جوشِ انتقام جنگِ اُحد کا سبب بنا۔



بیعتِ رضوان

غزوہٴ اُحُد اور اَحزاب میں شرکت

غزوہٴ بدر کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غزوات و سرایا پیش آئے۔ ان میں غزوہٴ اُحُد اور غزوہٴ اَحزاب (خندق) خاص اہمیت اور شہرت رکھتے ہیں۔ ان دونوں غزوات میں حضرت ابوالیوبؓ انصاری کی شرکت بالاتفاق ثابت ہے۔ غزوہٴ اُحُد میں حضرت ابوالیوبؓ کی فداکاریوں کی تفصیل کتبِ سیر و تاریخ میں نہیں ملتی البتہ ان کے کئی دوسرے (انصاری) بھائی بندوں کی عزیمت و استقامت اور سرِ فروشی کی داستانیں تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ اس غزوے میں ایک اتفاقی غلطی سے لڑائی کا رخ بدل گیا اور مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ فرزندِ انِ توحید کے ستر آدمی شہید ہوئے جن میں سرورِ کونین ﷺ کے جاں نثار چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت ابوالیوبؓ انصاری کے مٹوا خاتی بھائی حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی شامل تھے۔ شہداء میں ۴ مہاجر اور ۶۶ انصار تھے۔ رحمتِ دو عالم ﷺ خود اس جنگ میں زخمی ہو گئے لیکن حضور ﷺ کی شانِ عفو و کرم کا یہ عالم تھا کہ کُفار کے حق میں بددعا کرنے کی بجائے آپؐ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (اے میری قوم کو بخش دے وہ نادان ہے) یہ غزوہٴ یَاخْتَلَفِ روایت ۷ یا ۱۳ اشوال ۳ھ کے دن پیش آیا۔

ماہ ذوالقعدہ ۵ ہجری میں پرستارِ انِ حق کو اَحزاب (خندق) کی ہونناک جنگ پیش آئی۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ ۴ھ میں رسولِ کریم ﷺ نے یہودِ مدینہ (بنو نضیر) کو ان کی مسلسل شرانگیزی کی وجہ سے مدینہ سے خارج کر دیا تھا۔ بنو نضیر خیر جا کر آباد ہو گئے تھے۔

وہاں انہوں نے اہل حق کے خلاف ایک خوفناک سازش تیار کی اور اپنے ساتھ قریش مکہ اور قبائل غطفان، بنو سعد، بنو اسد وغیرہ کو ملا کر چوبیس ہزار جنگجوؤں کا لشکر جمع کر لیا۔ یہ لشکر بڑے ساز و سامان کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مسلمانوں کے استیصال کے لیے مدینہ کی طرف بڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ کے مطابق مدینہ کے غیر محفوظ گوشے کی طرف خندق کھودنے کا اہتمام کیا۔

ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ تین ہزار صحابہ کرامؓ نے جن میں حضرت ابویوبؓ انصاری بھی شامل تھے اس کام میں حصہ لیا اور پندرہ یا بیس دن میں خندق تیار ہو گئی۔ اس خندق کی کھدائی کے وقت چشمِ فلک نے عجیب رقت انگیز مناظر دیکھے۔ امام انبیاءؑ فرم فرماتے ہیں: موجودات ﷺ صحابہؓ کے ہمراہ خود مزدوروں کا لباس پہنے ہوئے خندق کھودتے تھے اور زبانِ مبارک پر حضرت عبداللہ بن رواحہ کے یہ رجز یہ اشعار جاری ہوتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اِهْتَدَيْنَا
 الٰہی تیرے سوا ہم کو ہدایت کہاں تھی
 فَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلِّیْنَا
 ہم کیسے تیری نمازیں پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے
 فَاَنْزِلْ سَكِیْنَةً عَلَیْنَا
 الٰہی ہم پر سکینہ کا نزول فرما
 وَتَبَّتِ الْاَقْدَامُ اَنْ لَا یُفِیْنَا
 اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی کی توفیق دے
 اِنَّ الْاَعْدَاءَ قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا
 یہ دشمن ہم پر خواہ مخواہ ظلم سے چڑھ آئے ہیں
 اِذَا ارَادُوْا فِتْنَةً اَیُّنَا
 وہ فتنہ پرداز ہیں اور ہمیں فتنہ کی بات نہیں بھاتی
 صحابہ عظام خندق کھودتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا
عَلَى الْإِسْلَامِ مَا بَقِيَْنَا أَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے ہمیشہ کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی ہے)

خندق کھودتے وقت (اور بعد میں محاصرہ کے دوران میں) مسلمانوں پر دو تین تین دن کے فاقے گزر جاتے تھے۔ وہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے لیکن منہ سے آف نہیں کرتے تھے۔ شاکل ترمذی میں ہے کہ لوگوں نے ایک دن حضور ﷺ کو اپنے شکم کھول کر دکھائے۔ ان پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا ہٹایا تو اس پر ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

کُفَّار نے مدینہ کے قریب پہنچ کر خندق کو اپنے راستے میں حائل پایا تو انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

مدینہ کے یہودی بنی قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن اس موقع پر غداری کر کے وہ بھی دشمنوں سے مل گئے اور مسلمانوں کے مصائب میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ کُفَّار خندق کے پار سے مسلمانوں پر تیر برساتے تھے اور سنگباری کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں۔ بیس بائیس دن تک کُفَّار کا محاصرہ قائم رہا۔ اس اثناء میں انہوں نے ایک دن مسلمانوں پر عام حملہ کیا اور ان کے چند نامی بہادروں نے خندق کو عبور کر لیا۔ مسلمانوں نے بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور کُفَّار کو پسپا کر دیا۔ اس حملہ میں کُفَّار کے نامور بہادر عمرو بن عبدود اور نوفل بن عبد اللہ بن مغیرہ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوئے۔ محاصرہ جس قدر طویل ہوتا جاتا تھا کُفَّار کے حوصلے پست ہوتے جاتے تھے اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے اسباب پیدا کیے کہ محاصرین میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور پھر ایک رات کو ایک خوفناک طوفانِ باد نے کُفَّار کو گھیر لیا۔ ان کے غیموں کی طنائیں اکھڑ گئیں اور کھانے کے برتن چلوہوں پر سے الٹ گئے۔ خوفناک تاریکی

اور سردی اس پر مستزاد تھی۔ کُفار میں اب محاصرہ جاری رکھنے کا یارانہ رہا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا النِّعْمَةَ الَّتِي عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ
فَارَّسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ط (احزاب آیت: ۹)

ترجمہ:- (مسلمانو اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جبکہ تم پر فوجیں آپڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو نظر نہیں آتی تھیں۔)

بیعتِ رضوان

غزوہ بدر احد اور احزاب میں شرکت کے بعد حضرت ابوایوبؓ انصاریؓ کو جو سب سے بڑا شرف حاصل ہوا وہ ان کا بیعتِ رضوان میں شرکت کرنا تھا۔ ”بیعتِ رضوان“ تاریخ اسلام کا ایک مہتمم بالشان واقعہ ہے۔ جو صحابہ کرامؓ اس بیعت میں شریک ہوئے انہیں ”صحابہ شجرہ“ کے نام سے پکارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔ بیعتِ رضوان میں ان جلیل القدر ہستیوں نے اپنی بے سرو سامانی کے باوجود راہِ حق میں جس فداکاری اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا تاریخِ عالم میں اس کی مثالیں ناپید ہیں۔

حضرت ابوایوبؓ انصاریؓ صاحبِ بدر بھی تھے اور صاحبِ شجرہ بھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ایمان افروز واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا جائے۔

کلم ذیقعدہ ۶ ہجری کو سرورِ کائنات ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قربانی کے ستر اونٹ بھی ساتھ لے لیے اور اس خیال سے کہ مسلمانوں کی اتنی عظیم جمعیت کو دیکھ کر قریش مکہ کے دل میں کوئی اور شک نہ گزرے، حضور ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا اور صحابہ کو حکم دیا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ رکھو اور تلوار بھی نیام میں ہو۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر سرورِ کائنات ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے عمرہ کا احرام باندھا۔ ادھر قریش مکہ کو مسلمانوں کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضور ﷺ نے بشر بن سفیان خزاعی کو قریشی کے عزائم کی ٹوہ لینے کے

لیے مکہ بھیجا۔ بشرطہ کہ سے واپس آ کر عسفان کے مقام پر حضور ﷺ سے ملے اور عرض کی:

”یا رسول اللہ قریش مکہ مزاحمت کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

حضور ﷺ وہاں سے راستہ بدل کر آگے بڑھے اور مکہ سے چند میل دور حدیبیہ پہنچ کر وہاں خیمہ زن ہو گئے۔ حدیبیہ کے پاس ایک کنواں تھا جس میں بہت تھوڑا پانی تھا۔ حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن کنوئیں میں ڈال دیا اور پانی کی فراوانی کے لیے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت کنوئیں کو پانی سے لبریز کر دیا۔

دو دن کے بعد قریش مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔) سفیر بنا کر مسلمانوں سے یہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ وہ کس نیت سے آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے عروہ کو بتایا کہ وہ محض حج کرنے کے لیے آئے ہیں اور لڑائی کا مطلق ارادہ نہیں رکھتے۔ عروہ نے واپس جا کر قریش کو حضور ﷺ کے جواب سے آگاہ کیا اور انہیں حضور ﷺ سے صحابہ کی والہانہ شینگی کے حالات بتا کر یہ مشورہ دیا کہ مسلمانوں سے صلح کر لو۔

عروہ کے جانے کے بعد سرور کائنات ﷺ نے حضرت عثمان ذوالنورین کو اپنا سفیر

ایک دوسری روایت کے مطابق حضور نے حضرت براۓ بن عازب کو ایک تیر دے کر فرمایا کہ اسے کنوئیں میں ڈال دو۔ حضرت براۓ نے جو نبی تیر کنوئیں میں ڈالا وہ پانی سے لبالب بھر گیا۔ عروہ بن مسعود نے مکہ واپس جا کر قریش کو بتایا۔ ”اے برادرانِ قریش! میں کئی بار قیصر و کسریٰ اور نجاشی (شاو جش) کے درباروں میں گیا ہوں لیکن میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا جس کے اہل دربار اس سے ایسی محبت اور عقیدت رکھتے ہوں جیسی محمد کے ساتھ اس کے ساتھیوں کو ہے۔ محمد تھوکتا ہے تو اس کی تھوک کو وہ اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور چہروں پر مل لیتے ہیں۔ وہ وضو کرتا ہے تو لوگ مستعمل پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں گویا لڑائی ہو پڑے گی۔ جب وہ کوئی حکم دیتا ہے تو سب اس کی تعمیل کے لئے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جب وہ کلام کرتا ہے تو مجلس میں سناٹا چھا جاتا ہے اور کوئی اس کے سامنے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا میری رائے یہ ہے کہ جیسے بھی ہو سیکم اس شخص سے صلح کر لو۔“

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر تم چاہو تو طواف کر لو ہم منع نہیں کریں گے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ ”میں رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کے بغیر ہرگز طواف نہ کروں گا۔“

قریش نے حضرت عثمانؓ کو اپنے پاس روک لیا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مشرکین مکہ نے شہید کر ڈالا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہم عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔“

صحابہ کرامؓ اگرچہ بے سرد سامان تھے لیکن سب نے حضور ﷺ کے ارشاد پر لبیک کہا۔ حضور ﷺ ایک درخت ”سمرة“ کے نیچے بیٹھ گئے اور مسلمانوں سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک جان میں جان ہے کفار سے لڑیں گے اور قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔

تمام صحابہ کرامؓ نے نہایت ذوق و شوق سے جاں نثاری کی بیعت کی۔ تاریخ اسلام میں یہی بیعت ”بیعت رضوان“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ
إِذْ يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
بِيعَتِ كَرْتَتِي (اے رسول) تم سے

(سورہ فتح) درخت کے نیچے۔

حضرت ابویوبؓ انصاریؓ بھی ان چودہ صحابہ کرامؓ میں شامل تھے جو بیعت رضوان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہی عروہ بن مسعودؓ ۸ھ میں مشرف باسلام ہو گئے۔ حضورؐ نے انہیں قبیلہ ثقیف میں اشاعت اسلام کی اجازت مرحمت فرمائی۔ انہوں نے واپس جا کر اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس کا جواب حیروں کی بوچھاڑ سے دیا۔ عروہ ایک تیر سے سخت زخمی ہو گئے۔ جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو لوگوں نے پوچھا کہ اپنے خون کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ فرمایا ”یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے شہادت کی نعمت عطا کی۔“ اس کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور طائف کے گنج شہیدان میں دفن ہوئے۔ حضورؐ نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا:۔

”عروہ کی مثال صاحبِ یسین (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا اور اس نے (اپنی طرف سے) ان کو قتل کر دیا۔“

سے مُشرَّف ہوئے۔

صلح حدیبیہ

قریش مکہ کو جب اس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ مرعوب ہو گئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا۔ حضرت عثمانؓ کو زندہ دیکھ کر مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی۔ اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو (جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے) سفیر بنا کر مسلمانوں کے پاس بھیجا کہ صلح کی شرائط طے کی جائیں۔ حضور ﷺ اور سہیل کے درمیان کچھ دیر گفتگو ہوئی اور پھر مندرجہ ذیل شرائط صلح طے ہو گئیں۔

۱- مسلمان اس سال حج نہ کریں گے البتہ آئندہ سال حج کے لیے مکہ میں داخل ہو سکیں گے۔ وہ بھی اس حالت میں کہ نیام میں ڈالی ہوئی تلواریں کے سوا کسی مسلمان کے پاس کوئی اور ہتھیار نہ ہوگا اور ان کو تین دن سے زیادہ مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوگی۔
۲- مسلمانوں اور ان کے حلیفوں اور اہل مکہ اور ان کے حلیفوں کے درمیان دس سال تک صلح رہے گی۔

۳- قریش کا کوئی آدمی اگر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو مسلمانوں کو اسے واپس کرنا ہوگا۔ لیکن مسلمانوں کا کوئی آدمی اگر قریش کے ہاتھ آ گیا تو وہ مسلمانوں کو واپس نہ کیا جائے گا۔

آخری شرط صحابہ کرامؓ پر بہت گراں گزری۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ نے بیتاب ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی: ”یا رسول اللہ کیا آپ پیغمبر خدا نہیں ہیں۔“
حضور ﷺ نے فرمایا: ”جی ہاں۔“

حضرت عمرؓ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے۔“
حضور ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں۔“

حضرت عمرؓ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ پھر ہم دُوب کر کیوں صلح کریں۔“
حضور ﷺ مجتہم ہوئے اور فرمایا: ”اللہ کا حکم اور مصلحت اسی میں ہے۔“

اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ معاہدہ صلح کو احاطہ تحریر میں لائیں۔

حضرت علیؓ نے معاہدہ قلمبند کرتے وقت سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا۔ سہل نے کہا۔ ”ہم نہیں جانتے رحمن کسے کہتے ہیں اس کی بجائے قدیم دستور کے مطابق ”بِاسْمِکَ اللّٰہِ“ لکھو۔

حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہی لکھ دو۔

پھر جب حضرت علیؓ نے لکھا۔ ”یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور قریش کے مابین ہوا ہے۔“ تو سہیل نے اعتراض کیا۔ ”اگر ہم محمد کو اللہ کا رسول مان لیں تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بجائے محمد بن عبد اللہ لکھو۔“

حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اسی طرح لکھ دو۔

یہی سہیل بن عمرو جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور محمد رسول اللہ لکھنے پر معترض ہوئے فتح مکہ کے بعد برضاً و رغبت مسلمان ہو گئے۔ قبول اسلام سے پہلے وہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ ان کے دو سلیم الفطرت بیٹوں ابو جندلؓ اور عبد اللہؓ نے اسلام قبول کر لیا تو ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ دین حق کی مخالفت میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور کا غلو کرم دیکھ کر دل موم ہو گیا۔ حضورؐ جب غزوہ حنین سے واپس ہوئے تو سہیلؓ ہجرانہ کے مقام پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ اب وہ اسلام کے ایک جاں نثار سپاہی تھے۔ جب سرورِ کائناتؐ نے رحلت فرمائی تو سارے عرب میں فتنہ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ سہیلؓ نہ صرف خود ثابت قدمی سے اسلام پر قائم رہے بلکہ انہوں نے دوسرے قبائل کو بھی مرتد ہونے سے روکنے کے لیے جان توڑ کوششیں کیں۔ مکہ میں انہوں نے ارتداد کے آثار نمودار ہوتے دیکھے تو لوگوں کو جمع کر کے اسلام کی حقانیت اور صداقت پر ایک دلولہ انگیز تقریر کی۔ اس تقریر سے اہل مکہ کے دلوں میں اسلام راسخ ہو گیا اور وہ ارتداد کی خوفناک آندھیوں میں اسلام پر ثابت قدمی سے جھے رہے۔ اسی سلسلہ میں یمامہ کی مشہور جنگ پیش آئی۔ حضرت سہیلؓ کے صاحبزادے عبد اللہؓ اس جنگ میں داؤد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت سہیلؓ نے بیٹے کی شہادت کی خبر نہایت مبر و سکون کے ساتھ سنی اور فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ شمع رسالت کے پروانے تھے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ میری کیا مجال ہے کہ میں رسول اللہ کا لفظ مٹاؤں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”اچھا مجھے دکھاؤ یہ لفظ کہاں لکھا ہے۔“ حضرت علیؓ نے اس پر انگلی رکھ دی۔ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔

جب معاہدہ کی آخری دفعہ لکھی جا رہی تھی تو ایک نہایت دردناک واقعہ پیش آیا۔ سہیل بن عمرو کے سعید الفطرت صاحبزادے ابو جندلؓ نے دعوت حق کے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ سہیل نے برا فروختہ ہو کر انہیں پابند سلاسل کر کے قید میں ڈال دیا تھا اور وہ کئی سال سے اپنے باپ اور دوسرے مشرکین کے ظلم و ستم سہہ رہے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ کسی طرح زندانِ بلا سے نکل بھاگے اور سیدھے سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں آ پہنچے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور سارا جسم کفار کی مار کے نشانات سے داغدار تھا۔ مسلمان ابو جندلؓ کی مظلومانہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ سہیل نے کہا۔ ”محمدؐ اس معاہدہ کی شرائط پوری کرنے کا یہ پہلا موقع ہے ابو جندلؓ کو میرے حوالے کر دو۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”ابھی معاہدہ پوری طرح قلمبند نہیں ہوا جب اس پر میرے اور تمہارے دستخط ثبت ہو جائیں گے تو اس کی کسی شرط کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

”میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ شہید اپنے خاندان کے ستر لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ مجھے امید ہے کہ میری سب سے پہلے شفاعت کی جائے گی۔“

حضرت فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے شام پر فوج کشی کی تو حضرت سہیلؓ شوقِ شہادت دل میں لئے لشکرِ مجاہدین میں شامل ہو گئے اور کئی معرکوں میں نہایت پامردی سے لڑے۔ شام کی فیصلہ کن جنگِ یرموک میں وہ فوج کے ایک دستہ کے افسر تھے۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ ایک لڑکی اور ایک پوتی کے سوا سارے گھرانے کو میدانِ جنگ میں لے گئے تھے۔ ان کی اولاد نے راہِ حق میں سرکٹا دیے اور وہ اللہ کی رضا پر شاکر رہے۔ ۱۸ھ میں شام میں طاعون کی وبا پھیلی تو عمواس کے مقام پر انہوں نے بھی دوسرے ہزار مجاہدین کے ساتھ دُش: حاس و نبیک کہا۔

سہیل نے بگڑ کر کہا۔ ”اگر ابو جندل میرے حوالے نہ کیا گیا تو ہم کو اس معاہدہ کی کوئی شرط بھی منظور نہیں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”ابو جندل کو میرے پاس ہی رہنے دو۔“
سہیل نے صاف انکار کر دیا۔ آخر حضور ﷺ نے کچھ دیر سکوت فرمایا اور پھر ابو جندل سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

”اے ابو جندل صبر اور ضبط سے کام لو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے کوئی صورت پیدا کرے گا۔ بہر حال اب صلح ہو چکی ہے اور ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔“

غرض اسی طرح ابو جندل کو واپس پابجولاں جانا پڑا۔ سہیل نے مکہ پہنچ کر ابو جندل کو پھر زندانِ بلا میں ڈال دیا۔ جو شخص ان کی نگرانی پر مامور ہوتا وہ اسے نہایت مؤثر انداز میں دعوتِ حق دیتے۔ اللہ تعالیٰ اسے راہِ ہدایت دکھا دیتا اور وہ بھی تبلیغِ حق میں کوشاں ہو جاتا اس طرح بیسیوں آدمی حلقہٴ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ان دنوں قبیلہ بنی ثقیف کے ایک اور عاشقِ اسلام ابوبصیر عتبہ بن اسید بھی کفارِ مکہ کی قیدِ محن میں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ انہوں نے بھی دعوتِ حق کے آغاز ہی میں دامنِ توحید تھام لیا تھا اور مشرکین کا ہدفِ ستم بن گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ایک دن وہ موقع پا کر کفار کی قید سے بھاگ نکلے اور رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں جا پہنچے۔ قریشِ مکہ نے دو آدمی انہیں واپس لانے کے لیے مدینہ بھیجے۔ حضور ﷺ نے معاہدہ کے مطابق ابوبصیر کو قریش کے آدمیوں کے ساتھ واپس جانے کی ہدایت فرمائی۔ ابوبصیر نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ آپ مجھے پھر مشرکین کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ مجھے راہِ حق سے برگشتہ کریں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”ابوبصیر جاؤ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور دوسرے معصیت زدہ مسلمانوں کے لیے کوئی صورت پیدا کر دے گا۔“

ابوبصیر ارشادِ نبوی کی تعمیل میں قریش کے آدمیوں کے ساتھ چل پڑے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر ان کے دونوں نگران کھجوریں کھانے کے لیے ٹھہر گئے۔ ابوبصیر نے ایک سے کہا۔ ”جان

برادر تمہاری یہ تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔“ تلوار کا مالک اپنی تلوار کی تعریف سن کر بہت خوش ہوا اور کہا۔ ”بیشک یہ تلوار بہت ہی اچھی ہے اور میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔“
ابو بصیر نے کہا۔ ”ذرا دکھانا تو۔“

اس نے جھٹ تلوار نیام سے کھینچی اور ابو بصیر کے ہاتھ میں دے دی۔ ابو بصیر نے اسی تلوار سے اس کا سراڑا دیا۔ دوسرا شخص خوفزدہ ہو کر مدینہ بھاگ گیا اور حضور ﷺ کے پاس پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ اتنے میں ابو بصیر بھی مدینہ آ پہنچے اور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ ”یا رسول اللہ آپ نے معاہدہ کی شرط پوری کر دی اللہ نے مجھے ہمت دی کہ میں آزاد ہو گیا۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”ابو بصیرؓ جنگ کے شعلے بھڑکانے والا ہے بشرطیکہ اسے چند مددگار مل جائیں۔“

ابو بصیرؓ نے حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے تو انہیں یقین ہو گیا کہ مدینہ میں میرا رہنا ممکن نہیں۔ چپکے سے وہاں سے کھسک گئے اور ساحل سمندر کے قریب ایک مقام عمیس کو اپنا مسکن بنالیا۔ قریش کے آدمی نے مکہ جا کر تمام حالات بیان کیے تو مشرکین دانت پیس کر رہ گئے۔ ابو جندل کے کانوں میں بھی اس واقعہ کی بھٹک پڑ گئی۔ ایک دن موقع پا کر قید سے بھاگ نکلے اور سیدھے ابو بصیرؓ کے پاس ”عمیس“ جا پہنچے۔ اب دوسرے بلاکشان اسلام کے لیے بھی راستہ کھل گیا جسے موقع ملتا سیدھا عمیس پہنچتا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ابو بصیرؓ کے پاس ایک مضبوط جتھہ ہو گیا۔ اب انہوں نے مشرکین سے انتقام لینے کی ایک عجیب تجویز سوچی۔ قریش کے تجارتی قافلے اکثر اس راستے سے گزرتے رہتے تھے اب کوئی قافلہ ادھر سے گزرتا تو یہ لوگ اس پر حملہ کر دیتے، اہل قافلہ کو قتل کر دیتے اور سامان تجارت لوٹ لیتے۔ قریش مکہ ابو بصیرؓ کے چھاپوں سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ ان کی تجارت معرض خطر میں پڑ گئی تھی۔ آخر انہوں نے عاجز آ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم معاہدہ کی آخری شرط کو منسوخ کرتے ہیں، آپ ابو بصیرؓ اور اس کی جماعت کو عمیس سے مدینہ بلا لیں تاکہ ہمیں اس مصیبت سے نجات

ملے۔ آئندہ سے جو مسلمان بھاگ جائے گا اسے آپ بیشک اپنے پاس ہی رکھیں۔

حضور ﷺ نے قریش کی استدعا قبول فرمائی اور ابوبصیرؓ کے جتنے کو لکھ بھیجا کہ ابوبصیرؓ اور ابو جندلؓ مدینہ آ جائیں اور باقی لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی **وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَائَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ** ط (سورہ فتح ۲۴)

ترجمہ:- اللہ وہ ہے جس نے مکہ کی وادی میں دشمنوں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے (قابو پانے کے بعد)

جب حضور ﷺ کا فرمان مبارک ابوبصیرؓ کو ملا تو وہ بستر مرگ پر تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو فرمان نبویؐ کی تعمیل کی ہدایت کی اور نامہ اقدس کو سر آنکھوں پر رکھے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت ابو جندلؓ ابوبصیرؓ کو سپردِ خاک کر کے سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں مدینہ پہنچے اور رسول اکرم ﷺ کی رحلت تک مدینہ ہی میں رہے۔ فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں شام کی جنگوں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور کئی سال تک جہاد فی سبیل اللہ کرتے رہے۔ ۱۸ھ میں طاعون کی وبا میں وفات پائی۔

صلح حدیبیہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے موافق نہ تھیں لیکن درحقیقت یہ صلح اشاعتِ اسلام کے لیے بیحد مفید ثابت ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنی تمام توجہ اشاعتِ اسلام پر مرکوز کر دی۔ اور ان کی تبلیغی مساعی سے ہزار ہا مشرکین دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے جن میں حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جیسی جلیل القدر ہستیاں بھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے اس صلح کو ”فتحِ مبین“ قرار دیا۔ **إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا** ط (سورہ فتح)

(ہم نے تجھے کھلی ہوئی فتح عنایت کی)

۱۔ ایک دوسری راویت کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے حدیبیہ میں ۸۰ مشرکوں کو گرفتار کیا جو مسلمانوں کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ حضورؐ نے رم کھا کر ان سب کو رہا کر دیا۔

غزوہ خیبر سے حجۃ الوداع تک

غزوہ خیبر میں شرکت

صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ کے آخر یا ۷ھ ہجری کے شروع میں خیبر کی مشہور جنگ پیش آئی۔ خیبر مدینہ منورہ کے شمال میں تقریباً ۶۰ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ یہ عرب میں یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور یہاں یہودیوں نے باختلاف روایت چھ سات یا دس مضبوط قلعے بنائے تھے جن میں کئی ہزار یہودی جنگجو رہتے تھے۔

جنگ احزاب میں ناکامی کے بعد یہودی خیبر مدینہ منورہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے زبردست جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے بنو غطفان اور بنو فزارہ کے چار ہزار جنگجوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہودیوں کے پاس بیس ہزار فوج جمع ہو گئی تھی اور وہ مسلمانوں سے ایک خونریز اور فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ سرورِ کونین ﷺ کو یہودیوں کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے دشمن کو مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا موقع دینے کی بجائے خود آگے بڑھ کر اس سے نبٹنے کا ارادہ فرمایا اور اعلانِ عام کر دیا۔

لا ینخرجن معنا الا راغب فی الجہاد۔

(ہمارے ساتھ وہ لوگ آئیں جو طالبِ جہاد ہوں)

چنانچہ سولہ سو (۱۶۰۰) صحابہ کرام کو جنگِ خیبر میں سرورِ کونین ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ ان طالبانِ جہاد میں حضرت ابوالیوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق اس جنگ میں حضور ﷺ نے صرف اصحابِ شجرہ کو (یعنی اُن

چودہ سو صحابہ کرام کو جنہوں نے بیعت رضوان کی تھی) اپنے ہمراہ لیا۔ حضور ﷺ خیبر پہنچے تو یہودیوں نے اپنے تمام قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور قلعوں کے اندر سے تیر اور پتھر برسا کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر مسلمانوں نے تمام قلعے فتح کر لیے۔ ان میں قوم کا مضبوط ترین قلعہ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر فتح ہوا اور اس قلعہ کا رئیس مرحب جو ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا شیر خدا کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوا۔ خیبر کے معرکوں میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۱۵ مسلمانوں نے جام شہادت پیا۔ خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں کو گوشت اطمینان ہو گیا۔ اسلام کے شدید دشمن دو ہی تھے۔ قریش اور یہود۔ قریش سے صلح تھی اور یہودی قوت خیبر میں پاش پاش ہو گئی۔

فتح مکہ

رمضان المبارک ۸ ہجری میں رحمت عالم ﷺ دس ہزار قدوسیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور کفر و شرک کے (اس زمانہ کے) مرکز پر علم تو حید لہا دیا اس طرح ”کتاب استثناء“ کی یہ پیشینگوئی پوری ہو گئی۔

”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ کوہ فاران سے وہ جلوہ گر

ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں (یعنی

نورانی) شریعت ان کے لیے تھی۔“

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دس ہزار قدوسی ساتھیوں میں حضرت ابوالیوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ ”فتح مکہ“ کا مختصر حال یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا اور بنی بکر قریش کا صلح کے ڈیڑھ سال بعد بنی بکر نے بنی خزاعہ پر دفعتاً حملہ کر دیا اور بڑی سنگدلی سے ان کے مردوں عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔ بنی خزاعہ نے حرم میں پناہ لی لیکن بنو بکر نے وہاں بھی بے دریغ بنی خزاعہ کا خون بہایا۔ قریش معاہدہ صلح کے مطابق اس بات کے پابند تھے کہ وہ اور ان کے حلیف مسلمانوں اور ان کے

حلیفوں کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن اس موقع پر قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کی کھلم کھلا مدد کی۔ بنی خزاعہ نے چالیس آدمیوں کا ایک وفد عمرو بن سالم کی سرکردگی میں دربار رسالت میں بھیجا۔ اس وفد نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر نہایت درد انگیز اشعار کی صورت میں اپنی فریاد پیش کی۔ ان میں سے چند اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

”اے خدا ہم محمد ﷺ کو وہ وعدہ یاد دلائیے جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندانوں کے مابین ہوا ہے۔ اے اللہ کے رسول ہماری مدد کر اور خدا کے بندوں کو بلا۔ سب اعانت کے لیے حاضر ہوں گے۔

قریش نے وعدہ خلافی کی اور اس کے عہد کو جو آپ سے کیا تھا توڑ ڈالا۔ ہمیں خشک گھاس کی طرح روند ڈالا۔

وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری مدد کے لیے کوئی نہیں اٹھے گا وہ تو ذلیل اور قلیل ہیں۔ انہوں نے ہم کو ویر (بنی خزاعہ کی قیام گاہ) میں سوتے ہوئے جالیا ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔“

حضور ﷺ بنی خزاعہ کی فریاد سے بہت متاثر ہوئے اور قریش کو پیغام بھیجا کہ مقتولوں کا خون بہا دو یا بنی بکر کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ اگر کوئی شرط منظور نہیں تو اعلان کر دو کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا ہے۔

قریش نے حضور ﷺ کے قاصد کو نہایت تکبر سے جواب دیا۔

”جاؤ ہم محمد (ﷺ) کے حکوم نہیں ہیں جو ہمارے جی میں آیا ہم نے کیا۔“

قاصد نے حضور ﷺ کو قریش کا جواب سنایا تو آپ نے فرمایا۔ ”یہ لوگ اب حد

سے بڑھ گئے ہیں اور ان کی زیادتیاں ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔“

اس کے بعد آپ نے مکہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اس اثناء میں ابوسفیان نے مدینہ آ کر صلح حدیبیہ کی تجدید کی کوشش کی لیکن اسے بے نیل مرام مکہ واپس جانا پڑا۔ حضور ﷺ نے حلیف قبائل کو بھی بلا بھیجا جب سب آ گئے تو آپ دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو عازم مکہ ہوئے۔ لشکر اسلام نے مکہ سے ایک منزل

ادھر مرثاظمہ ان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ قریش کو مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو سردار قریش ابوسفیانؓ بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام کو ساتھ لے کر تجسس کے لیے نکلے۔ اتفاق سے مسلمانوں کے پڑاؤ کے قریب ابوسفیان کی ملاقات حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ انہوں نے بدیل اور حکیم کو تو مکہ واپس بھیج دیا اور ابوسفیان کو ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ابوسفیان اسی دن یا بروایت دیگر دوسرے دن شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے قبول اسلام سے بڑی مسرت ہوئی۔ آپؐ نے نہ صرف ان کی جان بخشی فرمائی بلکہ یہ اعلان عام بھی فرما دیا کہ اہل مکہ میں سے جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس سے کوئی باز پرس نہیں جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا یا حرم کعبہ میں داخل ہو جائے گا۔ اس کو بھی امن ہے۔

ابوسفیانؓ نے مکہ جا کر قریش کو اسلامی افواج کا حال بتایا اور انہیں سردار کوئین علیہ السلام کی اطاعت قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ دوسرے دن لشکر اسلام نہایت شان و شوکت سے مکہ میں داخل ہوا۔ قریش کے ایک گروہ نے حضرت خالد بن ولید کے دستے کا مقابلہ کیا، لیکن بہت جلد تیرہ لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اس جھڑپ میں تین مسلمانوں نے بھی جام شہادت پیا۔ انکو کہہ نبوی لشکر اسلام کے درمیان تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ سر مبارک جھکا ہوا تھا اور اس پر سیاہ عمامہ بندھا ہوا تھا۔ زبان پاک

۱۔ ابوداؤد کی روایت کے مطابق اعلان معافی کے الفاظ یہ تھے۔

ترجمہ:- جو شخص مقابلے سے ہاتھ روکے اور اپنی گھر میں گھس کر دروازہ بند کر لے امن میں ہے۔ جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے امن میں ہے۔ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے امن میں ہے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے امن میں ہے۔ جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے امن میں ہے جو شخص ابورویحہ کے جھنڈے کے نیچے آ جائے امن میں ہے۔

۲۔ اس روایت کے مطابق جن تین مسلمانوں نے فتح مکہ کے موقع پر جام شہادت پیا۔ ان کے نام یہ تھے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پر سورۃ فتح کی آیات تھیں۔

حضور ﷺ نے کعبہ کے دروازے پر پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا پھر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اس کو تمام بتوں اور دوسری آلائشوں سے پاک کر دیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک موثر خطبہ دیا۔ خطبے کے بعد مجمع پر نظر ڈالی تو اس میں قریش کے تمام دشمنان اسلام موجود تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو اور دوسرے فرزندانِ توحید کو ستانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔“

ان لوگوں نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”آپ شریف بھائی ہیں اور شریف و کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ (ہم آپ سے اچھی

امید رکھتے ہیں۔“

رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:-

”تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

حضور ﷺ کے اس بے مثال حسنِ سلوک کا قریش پر یہ ہوا کہ ان کے تقریباً سبھی زن و مرد اسی دن حلقہٴ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

جنگِ حنین

مکہ سے کوئی پچاس میل دور طائف اور اس کے نواح میں بنو ثقیف اور بنو ہوازن کے قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل بڑے جنگجو اور سرکش تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد ان لوگوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۱) حضرت کرز بن جابر فہری۔ (۲) حضرت حمیش الاشعر (۳) حضرت سلمہ بن میلہ جہنی۔ بعض دوسری روایات میں ہے کہ مشرکین کے چوبیس ۲۴ یا اٹھائیس ۲۸ آدمی مارے گئے اور دو مسلمان شہید ہوئے جن کے نام کرز بن جابر فہری اور ابو صحر حمیش الاشعر تھے۔ مؤخر الذکر مشہور صحابیہ اُمّ معبد کے بھائی تھے جن کے خیمہ میں حضور نے سفرِ ہجرت کے دوران میں آرام فرمایا۔

اسلام کی طرف مائل ہونے کی بجائے سرکشی پر کمر باندھی اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تہمت لگے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اہل مکہ کے ان تمام باغیوں اور جاگیرداروں پر قابض ہو جائیں گے جو طائف میں تھے اور مسلمانوں سے بُت فحشی کا انتقام بھی لے سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے زور شور سے جنگ کی تیاری کی۔ بنی مُضَرّ بنی ہلال اور کچھ دوسرے قبیلے بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ جلد ہی ان کے چار ہزار جنگجو مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ اہل وعیال اور مال مویشی بھی تھے۔ ان لوگوں نے وادی حنین میں آ کر پڑاؤ ڈالا۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عزم فاسد کی اطلاع ملی تو آپ بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ (جن میں حضرت ابویوب انصاریؓ بھی شامل تھے) ان کے مقابلے کے لیے حنین کی طرف بڑھے۔ اسلامی فوج میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے۔ مکہ سے روانہ ہوتے وقت اپنی قوت اور کثرت تعداد کو دیکھ کر کچھ لوگوں کے منہ سے نکل گیا۔ ”آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی یہ نازش پسند نہ آئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی معرکے میں مسلمان کچھ ایسے بدحواس ہوئے کہ رسول اکرم ﷺ اور چند دوسرے جانبازوں کے سوا سب کے قدم اکھڑ گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دشمنوں نے میدان جنگ میں پہلے پہنچ کر مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا اور پہاڑ کی گھاٹیوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ یہ لوگ بلا کے قدر انداز تھے۔ جو نبی مسلمان ان کی زد میں آئے انہوں نے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا دیا۔ لشکر اسلام کے ہر اول دستہ میں زیادہ تر مکہ کے نو مسلم تھے وہ لوگ ثابت قدم نہ رہ سکے اور سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے ان کی حواس باختگی کا اثر دوسرے مسلمانوں پر بھی پڑا اور ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ حضور ﷺ اس وقت کوہِ استقامت بن کر میدان جنگ میں کھڑے تھے اور پآواز بلند فرما رہے تھے۔

اَبَا النَّبِيِّ لَا تَكْذِبُ میں نبی ہوں اور اس میں اصلاً جھوٹ

اَبَا بَنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

عَمَّ رَسُولُ ﷺ حضرت عباسؓ قریب ہی تھے حضور ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ مہاجرین

اور انصار کو آواز دیں۔

حضرت عباسؓ نے نہایت بلند آواز سے نعرہ مارا یا معشر الانصار (اے گروہ انصار) یا اصحاب الشجرہ (اے اصحاب شجرہ) یہ آواز سنتے ہی سارا لشکر اسلام دفعتاً پلٹ پڑا اور اس جوش و وارفتگی سے لڑا کہ لشکر کفار کے پرچے اڑا دیے۔ کفار کے بیشمار آدمی مارے گئے اور چھ ہزار کے قریب قیدی بنا لیے گئے۔ (ان سب کو بعد میں سرورِ عالم ﷺ نے بغیر کسی فدیہ کے آزاد کر دیا۔) اس جنگ میں نہایت کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اسیرانِ جنگ میں رسولِ کریم ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیماء بنتِ حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ ان کو حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے عرض کی۔ ”یا محمد ﷺ میں آپ کی رضاعی بہن شیماء ہوں آپ کی دایہ (رضاعی ماں) حلیمہ کی دختر۔“

رسول اللہ:- ”تم حلیمہ سعدیہ کی بیٹی ہو اس کا ثبوت؟“
 شیماء:- ”میری والدہ آپ کو دودھ پلاتیں اور میں آپ کو کھلایا کرتی تھی۔ ایک روز میں نے آپ کو اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا کہ آپ نے میری پیٹھ میں کاٹ لیا جس کا داغ اب تک موجود ہے۔“

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی قمیص کا دامن اٹھا کر وہ داغ حضور ﷺ کو دکھا دیا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھا کر فرمایا۔ ”اس فرش پر بیٹھ جاؤ اگر میرے ساتھ رہنا منظور ہو تو میں تمہارا بھائی ہی ہوں۔ تمہاری توقیر میں فرق نہ آنے دوں گا اور اگر اپنے قبیلہ میں جانا پسند ہو تو اس کا بھی تمہیں اختیار ہے۔“
 شیماء:- ”معزز بھائی میری کچھ مدد فرمائیے۔“

رسول اللہ:- ”کیوں نہیں؟ ایک کنیز اور تین غلام حاضر ہیں اور ساتھ ہی بکریوں کا یہ ریوڑ بھی!“

شیماء حضورؐ کے حسنِ اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اسی وقت مشرفِ باسلام ہو گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ دوسری اشیاء کے علاوہ حضور ﷺ نے انہیں کچھ رقم اور کپڑے بھی دے کر رخصت کیا۔

نیاز فتح پوری مرحوم نے اپنی کتاب ”صحابیات“ میں محمد بن مغلّٰی کی کتاب ”ترقیص“ کے

حوالے سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ جب بہت چھوٹے تھے تو شہیا آپ ﷺ کو کھلایا کرتی تھیں اور یہ شعر گاتی جاتی تھیں:-

یار بنا ابق لنا محمدا
حتی اراہ یافعاً وامردا
ثم اراہ سید امسودا
واکت اعادیہ معاد الحسدا
واعطہ عز ایدوم ابدًا
ہوں اے رب اس کو عزت و دوام عطا کر۔

انصار کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

جنگ حنین کے بعد حضور ﷺ نے غنائم جنگ سے زیادہ حصہ قریش کے نو مسلموں کو دیا کیونکہ ان کی تالیفِ قلب مقصود تھی۔ انصار کے بعض نوجوان اس حکمتِ نبوی کو نہ سمجھے اور انہوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ ابھی تک ہماری تلواروں سے مشرکین کا خون ٹپکتا ہے لیکن مالِ غنیمت سارا قریش ہی لے گئے۔

حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے تمام انصار کو ایک جگہ جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:- ”اے گروہِ انصار کیا تم نے واقعی یہ کہا کہ قریش ہماری تلواروں سے مغلوب ہوئے لیکن مالِ غنیمت کا وافر حصہ قریش ہی کو دیا گیا۔“

انصار نے عرض کی ”یا رسول اللہ فی الواقع ہمارے بعض نوجوانوں نے ایسی باتیں کہی ہیں لیکن ہم میں سے کسی سمجھ دار اور ذمہ دار آدمی کے منہ سے ایسی بات نہیں نکلی۔“

حضور ﷺ نے فرمایا:- ”یا معشرِ انصار کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے میں تمہیں کفر و شرک کی بھول بھلیوں سے نکال کر طریقِ حق پر لایا..... اور جنت کا مستحق بنایا“ تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے میں نے تم میں اتفاق پیدا کیا تم مفلس تھے، میں نے تم کو تو نگہ کیا، تم قبائلِ عرب میں حقارت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے میں نے تمہیں عزت دی۔“

رسول کریم ﷺ کے ہر ارشاد پر انصارؓ بے ساختہ کہتے جاتے تھے۔ ”بیشک اللہ اور اس کے رسول کا احسان بہت بڑا ہے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”تم بھی اپنے احسانات بیان کرو۔“

انصارؓ نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ ہم کیا عرض کریں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”تم کہو تجھے اپنے گھر سے نکالا گیا، ہم نے اپنے گھر میں پناہ دی، تیرا کوئی مددگار نہیں تھا ہم نے تیری صداقت کی دل و جان سے گواہی دی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ گے اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن اے گروہ انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ اونٹ بکریاں اور مال و دولت اپنے گھروں کو لے جائیں اور تم محمد کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔“

رسول کریم ﷺ کے ارشادات سن کر انصارؓ کے قلب و جگر کے ٹکڑے اڑ گئے۔ روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ بے اختیار پکار اٹھے۔ ”ہم کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ درکار ہیں۔“

پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”انصار میرے ہیں اور میں انصار کا ہوں۔ اے اللہ انصار اور انصار کے لڑکوں پر رحم فرما۔“ پھر فرمایا قریش کو اس لیے زیادہ مال دیا گیا ہے کہ ان کی تالیفِ قلب ہو جائے کیونکہ ابھی وہ جدید الاسلام ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا حق زیادہ ہے۔“

انصارؓ سردِ رو کائنات ﷺ کی معیت میں اپنے گھروں کو لوٹے تو فرطِ مسرت سے ان کے قدم زمین پر نہیں تکتے تھے۔

غزوۂ تبوک یا جیشُ العُسُمرِ

۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ حضور ﷺ کو خبر ملی کہ قیصرِ روم ایک جرّار لشکر کے ساتھ عرب پر دھاوا بولنے والا ہے آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ رومیوں کے مقابلے کی

تیاری کریں اور صاحب استطاعت لوگ لشکر کی تیاری کے لیے جو کچھ بھی دے سکتے ہوں دیں۔ اس سال خشک سالی کی وجہ سے ملک میں قحط پڑ رہا تھا اور شدت کی گرمی پڑ رہی تھی اس پر طرہ یہ کہ کھجوروں کی فصل پکنے کے بالکل قریب تھی۔ اس موسم میں اہل مدینہ باہر نہیں جاتے تھے لیکن حضور ﷺ کا حکم سنتے ہی سوائے چند منافقوں کے سب مسلمان دل و جان سے جہاد کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ اس موقع پر انہوں نے ایثار خلوص اور فداکاری کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ تاریخ عالم میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ہر ایک نے اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر مال اور اسباب پیش کیا، عورتوں نے اپنے زیور اتار اتار کر دے دیے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سب سے بڑھ گئے اور اپنے گھر میں جھاڑو پھیر کر تمام مال و اسباب یہاں تک کہ سوئی سلائی بھی حضور ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دی۔ غرض آپ ﷺ تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے نکلے ان مجاہدین میں حضرت ابوالیوب انصاری بھی شامل تھے۔ ۱۴ منزلوں کے پُر صعوبت سفر کے بعد تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی۔ حضور ﷺ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا اور اس کے بعد اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مع الخیر مدینہ کو مراجعت فرمائی۔ چونکہ اس غزوہ میں لشکر کی تیاری اور سفر کے دوران میں مسلمانوں کو بے پناہ مصیبتیں اٹھانا پڑیں اس لیے اس کو ”جیش العسرة“ بھی کہا جاتا ہے۔

حجۃ الوداع میں سرورِ عالم ﷺ کی ہمرکابی

ساحہ میں سرورِ عالم ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا اور لوگوں کو اس کی اطلاع کر دی چنانچہ کم و بیش ایک لاکھ مسلمانوں کو آپ ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا ان میں حضرت ابوالیوب انصاری بھی شامل تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت الجحہ سے تین میل دور ایک تالاب (غذیر) پر قیام فرمایا جس کا نام خم تھا۔ یہاں آپ نے صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر خطبہ دیا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں یہ مشہور فقرہ

بھی ارشاد فرمایا:-

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْهِ مَوْلَاهُ

(جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے)

اس موقع پر جو صحابہ موجود تھے ان میں حضرت ابوالیوب انصاریؓ بھی تھے۔ مُسْنَدِ احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ ”حضرت علیؓ کے پاس رجب میں کچھ لوگ آئے اور کہا۔ ”السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مَوْلَانَا“ حضرت علیؓ نے فرمایا میں آپ لوگوں کا مولیٰ کیسے ہو سکتا ہوں؟ آپ لوگ عرب ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَانْ هَذَا مَوْلَاهُ

راوی کہتا ہے کہ جب وہ لوگ چلے گئے میں پیچھے پیچھے گیا دریافت سے معلوم ہوا کہ چند انصار تھے جن میں حضرت ابوالیوب انصاریؓ بھی تھے۔“

بعض علماء نے ان روایات کو ضعیف بتایا ہے لیکن عام طور پر اہل سیر نے ان پر تکیہ نہیں کیا کیونکہ یہاں تک کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے بھی سیرۃ النبیؐ میں اس کو صحیح تسلیم کیا ہے۔



www.kitabosunnat.com

حیدر کزار کی پُر جوش رفاقت

وصالِ نبوی ﷺ کے بعد

الہجری میں سرور کونین ﷺ نے رحلت فرمائی۔ حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد رئیس خزر ج حضرت سعد بن عبادہ کے وسیع مکان سقیفہ بنی ساعدہ میں (جو انصار کا دارالندوہ تھا) انصار کا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں حضرت سعد بن عبادہ نے ایک پُر جوش تقریر کی۔ جس میں انصار کی سبقت فی الدین اور راہِ حق میں قربانیاں بیان کیں اور ان کی بناء پر انصار کو خلافت کا مستحق ٹھہرایا۔ انصار کی ایک کثیر تعداد نے حضرت سعد بن عبادہ کے خیالات کی تائید کی۔ مہاجرین کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ بھی مجتمع ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ یہاں انصار و مہاجرین دونوں نے پُر جوش الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انصار کے ایک گروہ جس کے ترجمان حضرت حباب بن المذر انصاری تھے یہ رائے دی کہ ایک امیر مہاجرین سے ہو اور ایک انصار سے ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے مہاجرین نے ان کی رائے کو رد کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس موقع پر ایک مؤثر خطبہ دیا جس میں انصار کے محامد

حضرت حبابؓ المذر انصاری بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا تعلق خاندانِ خزر ج سے تھا۔ ہجرت سے قبل ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ جنگِ بدر اُخذِ خیر اور حنین میں مجاہدانہ شرکت کی۔ شاعری میں بھی ملکہ رکھتے تھے ان کے کئی اشعار کتبِ بیئر میں محفوظ ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں وہ سعد بن عبادہ کے زبردست حامی تھے۔ لیکن پھر اپنی رائے میں لچک پیدا کر کے رائے دی کہ ایک امیر انصاری ہوا اور ایک مہاجر۔ اس موقع پر ان کی پُر زور تقریریں تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

کا اعتراف کیا اور پھر مہاجرین کے فضائل اور حقوقِ خلافت بیان کیے۔ ان کا خطبہ ختم ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے صدیق اکبرؓ کے فضائل بیان کیے اور کہا کہ وہ ان فضائل کی بناء پر انصار و مہاجرین میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ کہہ کر یکبارگی اپنا ہاتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں دے دیا اس پر سب لوگ صدیق اکبرؓ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔

اس موقع پر حضرت ابویوبؓ انصاری کی رائے سب سے جدا گانہ تھی۔ ان کی نظر میں قبیلہ یاسل کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ انہوں نے اپنے قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ کے دعویٰ خلافت کو تسلیم کرنے کی بجائے مہاجرین کو مستحقِ خلافت ٹھہرایا اور پھر مہاجرین میں سے حضرت علیؓ کو تسلیم کر کے فضائل و محامد بیان کیے اور لوگوں کو تلقین کی کہ وہ قاتل کفار حضرت اسد اللہ الغالبؓ کی بیعت کریں۔ اگرچہ جمہور مسلمین نے حضرت ابویوبؓ انصاریؓ کے مشورہ کو قبول نہ کیا تاہم ان کی نیک نیتی پر کسی کو شک نہ تھا۔ حضرت ابویوبؓ انصاریؓ اُن چند صحابہ کرامؓ میں (جن کی تعداد بعض مؤرخین نے بارہ لکھی ہے) شامل تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کو تسلیم کر کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت میں کچھ عرصہ توقف کیا۔ بعد میں جب انہوں نے بیعت کر لی تو کسی کے دل میں ان کے خلاف ملال کا شائبہ تک نہ تھا۔

عہدِ فاروقی کے معرکوں میں شرکت

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مختصر عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے عرب کی حدود سے باہر نکل کر جہاد کا آغاز کر دیا تھا لیکن اس دور کے معرکوں میں حضرت ابویوبؓ انصاریؓ کا نام نہیں ملتا۔ حضرت عمر فاروقؓ سریرِ آراء خلافت ہوئے تو ان کے عہدِ پابرت میں مجاہدینِ اسلام کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے ایشیا اور افریقہ کے لاکھوں مربع میل علاقے کو روند ڈالا اور اس پر پرچمِ اسلام بلند کر دیا۔ علامہِ واقدی اور بعض دوسرے مؤرخین نے عہدِ فاروقی کے کئی معرکوں میں حضرت ابویوبؓ انصاریؓ کا نام صراحت

کے ساتھ لیا ہے اور لکھا ہے کہ بھنسا کی لڑائیوں میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا۔ فتح مصر کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے ایک لشکر مغرب (شمالی افریقہ) کی تسخیر کے لیے روانہ کیا جو یلغار کرتا ہوا برقہ تک جا پہنچا اور اس پر علم اسلام لہرا کر واپس آیا۔ اس لشکر میں حضرت ابویوب انصاری بھی شامل تھے۔

عام طور پر مؤرخین نے اس عہد میں حضرت ابویوب انصاری کے کارناموں کی تفصیل نہیں دی لیکن اتنا ضرور ثابت ہے کہ وہ عہد فاروقی کے کئی معرکوں میں ایک پُر جوش مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور جہاد کی خاطر بڑے طویل سفر کیے۔

مسلمانوں کی امامت KitaboSunnat.com

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں جب باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت سعد قرط نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مسجد نبویؐ میں تشریف لا کر نماز پڑھائیں کیونکہ حضرت عثمانؓ محاصرہ کی وجہ سے مکان سے باہر نہیں نکل سکتے۔ شیر خداؑ نے خود نماز پڑھنے سے معذوری کا اظہار کیا اور فرمایا خالد بن زید سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ خالد بن زید حضرت ابویوبؓ کا نام تھا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس دن پہلی مرتبہ لوگ حضرت ابویوبؓ کے اصل نام سے آگاہ ہوئے ورنہ پہلے وہ لوگوں میں اپنی کنیت ہی سے مشہور تھے۔ چنانچہ حضرت ابویوبؓ کئی دن تک مسجد نبویؐ میں مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔

وظیفہ اور اعزاز میں اضافہ

شیر خدا حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ، حضرت ابویوب انصاریؓ کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ مسند آرائے خلافت ہوئے تو حضرت ابویوبؓ کا سالانہ وظیفہ (پانچ ہزار درہم جو انہیں عہد فاروقی سے بدری صحابی ہونے کی وجہ سے ملتا تھا) بڑھا کر بیس ہزار درہم کر دیا۔ ان کو بارگاہ خلافت سے آٹھ غلام بھی ملے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے ان کی تعداد بڑھا کر چالیس کر دی۔

امارتِ مدینہ

خلافہ مرتضوی کے آغاز میں حضرت سہلؓ بن حنیف انصاریؓ مدینہ کے امیر تھے۔ ۳۶ ہجری میں حضرت علی مرتضیٰ نے ان کو کوفہ بلوایا اور مدینہ منورہ کی امارت پر حضرت ابویوب انصاریؓ کو مقرر فرمایا۔ اکثر روایات میں ہے کہ جنگِ جمل اور صفین کے وقت وہ مدینہ کے امیر تھے لیکن ابن عبد البرؒ نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ وہ جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک ہوئے۔ استیعاب کے الفاظ یہ ہیں:-

قال ابن الكلبي وابن اسحق شهد ابو ايوب مع علي رضي الله عنه الجمل وصفين وكان مقدمة يوم النهروان.

(ابن ہشام اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ابویوبؓ جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور نہروان کے دن وہ ہر اول لشکر کے سالار تھے۔)

”استیعاب“ ہی میں ایک دوسرے مقام پر یہ الفاظ ہیں:-

كان ابو ايوب الانصاري مع علي رضي الله عنه في حروبه كلها.

(ابویوب انصاریؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام لڑائیوں میں ان کے ساتھ تھے)

حضرت ابویوب انصاریؓ جنگِ جمل اور صفین میں شریک ہوئے ہوں یا نہیں لیکن خارجیوں کے خلاف نہروان کی مشہور جنگ میں ان کی شرکت تمام مؤرخین کے نزدیک مُستَلَم ہے۔

حضرت سہلؓ بن حنیف قبیلہ اوس سے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ انہیں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا مؤاخاتی بھائی بنایا گیا تھا لیکن دوسرے مؤرخین نے حضرت علیؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤاخاتی بھائی تحریر کیا ہے۔ حضرت سہلؓ نے جنگِ بدر اور احد میں مجاہدانہ شرکت کی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ بصرہ اور فارس کے امیر رہے۔ ۳۸ھ میں وفات پائی۔ نہایت شجاع اور خویرو تھے۔

جنگِ نہروان

۳۲ ہجری میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کے درمیان صفین کی فحس ناک جنگ پیش آئی۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد جنگ ملتوی ہوگئی اور یہ قرار پایا کہ دونوں فریق اپنا اپنا ایک نمائندہ (حکم) مقرر کریں یہ نمائندے جس کے حق میں فیصلہ کریں وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو۔ چنانچہ دونوں طرف سے سربراہ آوردہ اشخاص نے اس معاہدہ کو تحریری صورت میں لا کر اس پر اپنے اپنے دستخط ثبت کر دیے۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ ”تحکیم“ کے نام سے مشہور ہے۔ تحکیم کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کے اختلافات تو کم نہ ہو سکے البتہ مسئلہ تحکیم حیدر کرار کی فوج میں تفریق و اختلاف کا سبب ضرور بن گیا۔ لشکر حیدری میں ایک بڑی جماعت نے تحکیم کو سخت ناپسند کیا۔ اس جماعت میں قبائل تمیم، مرادر، اسب، عنزہ وغیرہ کے ہزاروں لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ تاریخ میں ”خوارج“ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا موقف یہ تھا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور جو شخص بھی تحکیم سے تعلق رکھے (یعنی آدمیوں کو حکم بنائے) وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ صفین سے کوفہ واپس تشریف لائے تو خارجی عقیدہ کے لوگ آپ کی بیعت سے الگ ہو گئے اور عبد اللہ بن وہب الراسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے نہروان میں جمع ہوئے۔ یہاں انہوں نے اپنے عقیدہ کے مخالف کئی بیگناہ لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دیا۔ ادھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ شام پر لشکر کشی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ آپ نے خوارج کو دعوت دی کہ اپنے فاسد عقائد سے توبہ کر کے میرے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ لیکن خوارج نے سرکشی کی راہ اختیار کی۔ چارو ناچار حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو روانگی شام سے پہلے اس فتنہ کے انسداد کی طرف توجہ کرنی پڑی اور آپ نے اپنا لشکر نہروان کی طرف بڑھایا۔ نہروان پہنچ کر آپ نے حضرت ابوالیوبؓ انصاری اور حضرت قیسؓ بن سعدؓ بن عبادہ انصاری کو افہام و تفہیم کے لیے خارجیوں کے پاس بھیجا۔ دونوں بزرگوں نے خوارج کو راہ راست پر لانے کی مقدور بھرکوشش کی لیکن

انہوں نے ایک نہ مانی۔ جب دونوں بزرگ اپنے لشکر میں واپس آئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خارجیوں کے ایک ہا اثر سردار ابن الکوا کو بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو شیر خدا نے اسے جنگ کے نتائج و عواقب سے آگاہ کیا اور تلقین کی کہ وہ لوگ اپنی فتنہ پرداز یوں سے باز آجائیں اور تائب ہو کر خلافت راشدہ کی فوجوں میں شامل ہو جائیں۔ ابن الکواء پر شیر خدا کے ارشادات کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر مجبور ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ کی تیاری کی۔ مینہ کا افسر حضرت حجر بن عدی کو مقرر فرمایا اور میسرہ کا حضرت شیث بن ربیعہ کو۔ اسی طرح پیادہ فوج پر ابو قتادہؓ کو اور سواروں (یا بروایت دیگر مقدمہ الجیش) پر حضرت ابوالیوب انصاریؓ کو افسر متعین فرمایا۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے اپنا مشہور علمِ رایۃ الایمان ان کے سپرد کیا۔

لڑائی کے آغاز میں ایک ہزار خارجی توبہ کر کے شیر خدا کے لشکر سے آ ملے۔ اور ایک بڑی تعداد میدان جنگ سے کنارہ کشی کر کے ملک کے مختلف حصوں میں منتشر ہو گئی۔ لیکن اب بھی چار ہزار خارجی جنگجو عبد اللہ بن واہب الراسی کی قیادت میں آمادہ جنگ تھے۔ دونوں لشکروں میں ٹڈ بھڑ ہوئی تو اس گھسان کارن پڑا کہ زمین کانپ اٹھی۔ خوارج ان کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے تھے لیکن وہ میدان جنگ سے منہ موڑنے کا نام نہ لیتے تھے۔ ان لوگوں کا فوج حیدری کے مینہ اور میسرہ پر حملہ اس زور کا تھا کہ شیروں کے دل دہلے جاتے تھے۔ لیکن فوج حیدری کے جانباز بھی کچھ کم شجاع نہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک کوہ عزم و ثبات اور پیکر تہوڑ و شجاعت بن کر کھڑا تھا۔ انہوں نے خوارج کے منہ پھیر دیے۔ اس خونریز جنگ میں عبد اللہ بن واہب الراسی کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے کٹ مرے۔ چار سو ۴۰۰ کے قریب میدان جنگ میں مجروح پائے گئے۔ شیر خدا نے ان کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کیا اور انہیں مرہم پٹی کے لیے ان کے رشتہ داروں کے سپرد کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک موقع پر اس ہولناک جنگ کی

پیشینگوئی فرمائی تھی اور اس میں مقتول ہونے والے ایک خارجی کی علامتیں بھی بتادی تھیں۔
 علی کرم اللہ وجہہ کو حضور ﷺ کا ارشاد مقدس یاد تھا۔ چنانچہ جنگ کے بعد آپ نے
 مقتولین کے ڈھیر سے اس خارجی کی لاش کو تلاش کرنا شروع کیا۔ تھوڑی سی ٹیگ و دو کے
 بعد وہ لاش مل گئی۔ اس میں حضور ﷺ کی بتائی ہوئی تمام علامات موجود تھیں۔ حضرت علی
 کرم اللہ وجہہ نے یہ لاش دیکھ کر فرمایا:-

”اللہ اکبر۔ خدا کی قسم اللہ کے رسول ﷺ نے کتنا صحیح ارشاد فرمایا تھا۔“

جنگ نہروان میں حضرت ابویوب انصاری نے دوسرے جاں نثارانِ علیؑ کے ساتھ
 جس جو انمردی اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا وہ ان کی زندگی کا ایک روشن باب ہے۔ ابنِ ملجم
 جس کے دستِ ستم سے صاحبِ ذوالفقار کو جامِ شہادت پینا پڑا اسی بد بخت گروہِ خوارج
 سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو اُمیہ کے دور میں بھی خوارج کا بڑا زور رہا۔ اگر بنو اُمیہ کو مہلب جیسا
 جری اور ماہرِ جنگ سپہ سالار خوارج سے نبرد آزما ہونے کے لیے نڈل گیا ہوتا تو شاید آج
 تاریخِ اسلام کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔



۱۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق اس خارجی کی علامات یہ تھیں کہ اس کا ایک بازو ہاتھ
 کے بغیر ہوگا۔ بازو کے کنارے ایک چیز پستان کی گھنڈی کی طرح ہوگی جس پر سفید بال
 ہوں گے۔

www.kitabosunnat.com

میدانِ جہاد میں سفرِ آخرت

ایک عظیم بشارت

سرورِ کائنات ﷺ ایک دن مشہور صحابیہ حضرت اُمّ حرام بنت ملحان کے گھر دو پہر کا کھانا کھا کر قیلولہ فرما رہے تھے۔ یکا یک حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولیں۔ حضرت اُمّ حرامؓ نے پوچھا۔ ”یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کے مسکرانے کا کیا سبب ہے۔“

۱۔ حضرت اُمّ حرامؓ بنت ملحان مشہور صحابیہ ہیں۔ اصل نام معلوم نہیں۔ خزر ج کے خاندان ”بنو نجار“ سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔ اُمّ حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔ ان کی والدہ ملیکہ مالک بن نجار کی اولاد سے تھیں۔ حضرت اُمّ حرامؓ رسول اکرمؐ کی پردادی سلمیٰ (والدہ حضرت عبدالملک) کی پوتی تھیں۔ اسی نسبت سے وہ رسول کریمؐ کی خالہ مشہور ہیں۔ حضرت اُمّ سلیمؓ بنت ملحان ان کی حقیقی بہن تھیں اور حضرت انسؓ بن مالک حقیقی بھانجے۔ پہلے شوہر حضرت عمرو بن قیس انصاری تھے۔ ان کے بعد حضرت عبادہ بن صامت کے نکاح میں آئیں۔ رسول اکرمؐ کبھی کبھی حضرت اُمّ حرامؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں آرام فرماتے تھے (اسی طرح اُمّ سلیمؓ کے ہاں بھی) جب سے حضورؐ نے حضرت اُمّ حرامؓ کو غزوہ بدر کے بارے میں بتایا تھا وہ اس غزوہ میں شامل ہونے کے لئے بے تاب رہتی تھیں۔ چنانچہ ۲۸ھ میں مسلمانوں نے قبرص پر چڑھائی کی تو وہ بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئیں۔ فتح کے بعد گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گئیں۔ اور قبرص ہی میں وفات پائی۔ حضرت اُمّ حرامؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ رسول کریمؐ ان کی بڑی عزت کرتے تھے اولاد میں تین لڑکے چھوڑے۔ عمرو بن قیس سے عبد اللہ اور قیس اور عبادہ بن صامت سے محمد۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”مجھے خواب میں میری اُمت کے کچھ ایسے لوگ دکھائے گئے جو سمندر میں جہاز پر سوار تھے اور ان کی شان بادشاہانِ مَندِ نشین کی سی تھی۔ وہ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھے۔“ حضرت اُمّ حرامؓ نے عرض کی۔ ”یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ مجھے بھی ان مجاہدین میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔“

حضور ﷺ نے حضرت اُمّ حرامؓ کے حق میں دعا فرمائی اور پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر بیدار ہوئے تو ہونٹوں پر قبضہ تھا اور وہی خواب زبانِ مبارک پر تھا۔ حضرت اُمّ حرامؓ نے پھر سابقہ دعا کے لیے درخواست کی۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”ہاں تم اسی جماعت کے ساتھ ہو۔“ حضرت اُمّ حرامؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أُوجِبُوا.
(یعنی میری اُمت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی۔ اس پر جنت واجب ہوگئی)
ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر سرورِ کونین ﷺ کے الفاظ مبارک یہ تھے۔
أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ.
یعنی میری اُمت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطینیہ) پر جہاد کرے گا اس کے لیے مغفرت ہے)

ایک اور روایت کے مطابق سرورِ کائنات ﷺ نے ایک موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

تَفْتَحَنَّ الْقُسْطَنْطِينِيَّةُ وَلِنَعَمَ الْأَمِيرُ أَمِيرٌ هَاوٍ لِنَعَمَ الْجَيْشُ جَيْشُهَا.
(یعنی قسطنطینیہ فتح کیا جائے گا اور کیا اچھا ہے وہ امیر جو اس کی فتح کا امیر ہو اور کیا اچھی ہے وہ فوج جو اس فتح کی حاصل کرنے والی ہو۔)

ان بشارت ہائے عظیمہ کی بناء پر صحابہ کرامؓ اور دوسرے مسلمان ایک مدت سے غزوہٴ روم میں شرکت کے متنی تھے۔ قدرت نے یہ موقع حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے

عہد خلافت میں اور پھر امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں مہیا کر دیا۔

فضیلتِ جہاد

کلام پاک اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد فی سبیل اللہ کے بیشمار فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَقَاتِلُونَكُمْ
(اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں)

سورہ صف میں ارشاد ہوا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَتْهُمْ بَنِيَانٌ مَّرْصُوعِينَ
(اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ میں صف باندھ کر (اس طرح جم کر) لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہے اینٹ سے اینٹ ملی ہوئی)

اسی سورہ کی بارہویں آیت ان مجاہدین کے بارے میں ہے جو دشمنانِ حق کے مقابلہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ ان مجاہدین کے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جنتِ ابدی کا دروازہ ان کے لیے کھل جاتا ہے۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَذْيٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاؤں جہاد کی راہ میں آلودہ ہوئے ہوں ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کو جہنم کی آگ چھو جائے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاد کے راستے ایک صحیح یا ایک شام جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اسی طرح مُسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے اٹکبار ہو یا جہاد میں جاگے اس پر نادر دوزخ حرام ہے۔

جہاد کے ایسے ہی فضائل تھے جو صحابہ کرامؓ اور سچے مسلمانوں کے دل میں ہر وقت

شوقِ جہاد کا شعلہ فروزاں رکھتے تھے۔ جہاد کا مقصد ملک گیری اور غارت گری نہ تھا بلکہ اسلام نے اسے ایک ایسی عبادت بنا دیا تھا جس کا مقصد ایک طرف اپنی مدافعت کرنا تھا اور دوسری طرف اعلائے کلمۃ الحق اور مظلوموں کو جاہلوں اور ظالموں کے دستِ تعدی سے بچانا تھا۔ قرنِ اول میں قیصرِ روم کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کے اولین مقاصد یہی تھے۔ البتہ رسول اکرم ﷺ کی بشارت کا مصداق بننے کی خواہش نے ان کے شوقِ جہاد کو دوچند کر دیا تھا۔

قیصرِ روم کے خلاف اعلانِ جہاد

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں قیصرِ روم نے مسلمانوں کے خلاف خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس نے پانچ سو جہازوں کا ایک زبردست جنگی بیڑا سواحلِ شام پر حملہ کے لیے بھیجا۔ امیر معاویہؓ والی شام نے امیر المؤمنینؓ کی اجازت سے عبداللہ بن ابی سرح کی قیادت میں ایک اسلامی بیڑا مرتب کیا اور رومیوں کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ دونوں بیڑوں میں ہولناک جنگ ہوئی۔ رومی بیڑا تباہ و برباد ہو گیا اور اس کا اور اپنے ہزاروں سپاہی کٹوا کر نہایت بری طرح پسا ہوا۔ ۲۷ یا ۲۸ ہجری میں امیر معاویہؓ نے ایک زبردست بحری بیڑا جزیرہ قبرص پر حملہ کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی شامل تھے۔ ان میں مشہور صحابی حضرت عبادہ بن صامت اور ان کی زوجہ حضرت اُمّ حرامؓ بنتِ ملحان بھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور انہوں نے قبرص پر اسلامی علم لہرایا۔ واپسی کے وقت حضرت اُمّ حرامؓ ٹھوڑے سے گر پڑیں اور سخت زخمی ہو گئیں۔ اسی صدمہ سے انہوں نے وفات پائی اور سرزمینِ قبرص کو ان کا مدفن بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہی اسلامی لشکر سرور کوئین ﷺ کی بشارت کا مصداق تھا لیکن اکثر اربابِ بیبر کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کی بشارت کا مستحق وہ اسلامی لشکر تھا جس نے قسطنطنیہ پر پہلی دفعہ حملہ کیا اور جس میں حضرت ابویوبؓ انصاری بھی شامل تھے۔

جہادِ قسطنطنیہ

قسطنطنیہ (جس کا سابق اسلامی نام اسلامبول اور موجودہ نام استنبول ہے اور جو ترکی

کا ایک اہم ترین شہر اور بندرگاہ ہے) ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ ابتداء میں یہ بزنطائن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ۶۷۲ء میں سلطنتِ روما کے بادشاہ قسطنطین اعظم نے موجودہ شہر کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت سے سلطان محمد فاتح کے زمانے تک شہر مسلسل قیصرانِ روم کا پایہ تخت رہا۔

امیر معاویہؓ نے باخلافِ روایت ۴۸-۴۹ یا ۵۰-۵۱ یا ۵۲ھ میں ایک اسلامی لشکر اس شہر کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق اس لشکر کی قیادت سفیان بن عوف کے سپرد تھی۔ لیکن اکثر روایات میں ہے کہ اس لشکر کا امیر یزید بن معاویہؓ تھا۔ یزید تاریخِ اسلام کی ایک بدنام ترین شخصیت ہے۔ کیا اس کی شرکتِ جہاد اور قیادتِ مجاہدین اسے رسولِ اکرم ﷺ کی بشارت کا مستحق بناتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک علمی بحث ہے اور ہماری کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں کہ قسطنطینیہ پر چڑھائی کرنے والے اسلامی لشکر میں حضرت ابویوبؓ انصاری اپنی کبریا کی باوجود ایک عام مجاہد (سپاہی) کی حیثیت سے شریک تھے۔

”تذکرہ حُفَّازِ شیعہ“ (مصنفہ سید علی نقی) میں ہے کہ:-

”حُفَّاز کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو (یعنی حضرت ابویوب انصاریؓ کو) خاص شوق تھا۔ یہاں تک کہ اس سلسلہ میں یزید بن معاویہ کی سہ سالاری میں جنگ کرنے تک سے آپ نے گریز نہیں کیا۔ آپ کا اجتہادی خیال یہ تھا کہ حُفَّاز سے جہاد میں اگرچہ فاسق و فاجر اشخاص کی ماتحتی میں ہو، مگر نیت سے شریک ہونا مذہب کی نصرت ہے۔ اس لیے روم کی جنگ میں جو معاویہ کے حکم سے یزید کی ماتحتی میں افواجِ روانہ کی گئی تھیں۔ ان میں ابویوبؓ انصاری بھی موجود تھے اور وہیں قسطنطینیہ میں ۵۰ھ میں انتقال کیا۔“

(ترجمہ: حضرت ابویوب انصاریؓ)

اسلامی لشکر میں حضرت ابویوب انصاریؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ

میدانِ رزم میں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہو گئے تھے۔ انہوں نے نہایت استقلال اور ہمت سے رومیوں کے حملہ کو روکا۔ بڑے گھمسان کارن پڑا۔ مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ دشمن کی صفوں میں گھسے پڑتے تھے۔ ایک مجاہد (جن کا نام بعض روایتوں میں عبدالعزیز بن زرارہ بیان کیا گیا ہے) ایک بار تنہا رومیوں کی صفوں میں گھس گئے۔ مسلمان انہیں اس طرح اپنی جان خطرے میں ڈالتے دیکھ کر پکار اٹھے کہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے۔

لَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ط

(تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

اس موقع پر حضرت ابو ایوبؓ انصاری آگے بڑھے اور اسلامی لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ”مسلمانو! تم نے اس آیت کا یہ مطلب سمجھا ہے؟ حالانکہ اس کے حقیقی معنی اس کے برعکس ہیں زمانہ امن میں انصار نے ارادہ کیا تھا کہ جہاد میں مصروف رہنے کی وجہ سے ان کے کاروبار اور تجارت کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی طافی کریں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ جہاد میں نقصان اور ہلاکت نہیں بلکہ جہاد سے کنارہ کشی کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔“

سنن ابوداؤد میں اسلم ابو عمرانؓ سے جو اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں یہ روایت مروی ہے۔ ”اسلم ابو عمرانؓ فرماتے ہیں کہ ہم جہاد کے لیے مدینہ منورہ سے قسطنطنیہ کو روانہ ہوئے۔ عبدالرحمن بن خالد بن ولید ہمارے سردار تھے اور رومیوں کی پشت شہر پناہ (فصل قسطنطنیہ) سے متصل تھی۔ ہمارے ایک آدمی نے تنہا دشمن پر حملہ کیا۔ لوگوں نے اس کو روکا اور کہا کہ یہ شخص اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا کہ آیت لَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ط ہم گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرت عطا فرمائی اور اسلام کو غلبہ عطا کیا تو ہمارے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب ہم اپنے مال کی حفاظت میں رہیں (اس خیال کو دور کرنے کے لیے) حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تو ہلاکت میں ہاتھ ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ مال کی حفاظت

کریں اور جہاد چھوڑ دیں۔

ابو عمر انؓ فرماتے ہیں کہ ”حضرت ابویوبؓ ہمیشہ راہِ حق میں جہاد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی اور قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔“

غرض مجاہدینِ اسلام نے بہت جلد رومیوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ وہ پسپا ہو کر شہر میں جا گھسے اور فیصلیہ شہر کے دروازے بند کر لیے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اس کی تسخیر کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں رہنے لگے۔

مرض الموت اور وصیت

جن دنوں اسلامی لشکر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے پڑا تھا۔ یورپ کی آب و ہوا مسلمانوں کی طبائع پر بڑا برا اثر ڈال رہی تھی۔ یہاں تک کہ مجاہدین کی کثیر تعداد بیمار ہو گئی۔ بہت سے مجاہدین بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ اسی موقع پر حضرت ابویوب انصاریؓ بھی سخت بیمار ہو گئے۔ جب ان کی جانبی کی کوئی امید نہ رہی تو امیر لشکر یزید ان کی خدمت میں عیادت کے لیے حاضر ہوا اور کہا۔ ”آپ کی کوئی وصیت ہو تو فرمائیے۔“

حضرت ابویوبؓ نے فرمایا:-

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت بھی فرمائی:

”میں نے ایک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی۔ (اب جبکہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر بالفرض تم سب (فرشتوں کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا جن سے گناہ بھی سرزد ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا اور اس طرح اس کی شانِ رحیمی اور غفاریت کا ظہور ہوگا۔“

(صحیح مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابویوبؓ نے یہ وصیت بھی فرمائی۔

”جب میں مر جاؤں تو مسلمانوں کو میرا سلام پہنچا دینا اور ان کو بتا دینا کہ جو شخص اس حالت میں انتقال کر جائے کہ رب واحد کے سوا کسی کو شریک نہ

جانتا تھا اللہ تعالیٰ اس کو جنت نصیب کرے گا اور میرا جنازہ سرزمینِ عدو میں جہاں تک تم لے جا سکو لے جا کر دفن کرنا۔“

یزید نے ان کی وصیت پوری کرنے کا عہد کیا اور حضرت ابویوب انصاریؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ سال وفات کے بارے میں اختلاف ہے مختلف مؤرخین نے ۵۲۵ھ، ۵۲۵ھ، ۵۵ ہجری بھی لکھا ہے۔ اس اختلاف کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطینیہ کے گرد جنگ سات سال تک جاری رہی اور اسی دوران میں کسی سال حضرت ابویوبؓ نے وفات پائی۔

تدفین

حضرت ابویوب انصاریؓ کی وفات سے مسلمانوں پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ امیر لشکر نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور پھر تمام فوج ہتھیار سجا کر آپ کی میت کو قسطنطینیہ کی دیوار کے عین نیچے لے گئے اور وہاں اسلام کے اس بطلِ جلیل کو سپرد خاک کر دیا۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ کی تدفین رات کے وقت عمل میں آئی۔ تدفین کے بعد امیر لشکر کے حکم سے آپ کی قبر زمین کے برابر کر دی گئی تاکہ رومی ہزار مبارک کے ساتھ کوئی بے ادبی نہ کر سکیں۔ صاحب ”عقد الفرید“ کا بیان ہے کہ قیصر قسطنطین چہارم کو رات کے وقت مسلمانوں کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو اس نے قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ رات کو کیا معاملہ تھا۔ مسلمان چونکہ سچ بولنے کے عادی تھے انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے پیشوائے اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک بزرگ صحابی کا انتقال ہو گیا تھا ہم لوگ ان کی تدفین میں مصروف تھے۔

قیصر نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ یہاں سے جاؤ گے تو ہم قبر کھود کر ان کی ہڈیاں باہر پھینک دیں گے۔

قیصر کے گستاخانہ کلام پر مسلمانوں کا خون کھول اٹھا۔ یزید نے قیصر کو پیغام بھیجا کہ ”اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو خدا کی قسم یاد رکھو کہ مسلمانوں کی وسیع الحدود حکومت میں جتنے گرجے ہیں سب کو منہدم کر دیا جائے گا اور عیسائیوں کی قبروں کو اکھاڑ پھینکا جائے گا۔“ یزید کے اس انتباہ کا قیصر پر خاطر خواہ اثر ہوا اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ”میں تمہاری دینی غیرت و حمیت کا امتحان لے رہا تھا۔ کنواری مریم کی قسم ہم تمہارے نبی ﷺ کے صحابی کی قبر کا اکرام اور اس کی حفاظت و حراست کریں گے۔“

مؤرخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے فی الواقع اپنے عہد کا احترام کیا۔ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ قیصر روم نے خود حضرت ابویوب انصاریؓ کے مزار اقدس پر قبہ تعمیر کرایا۔

”طبقات ابن سعد“ میں ہے کہ رومی قحط کے زمانے میں حضرت ابویوبؓ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے تھے اور آپ کے توسل سے بارش کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ میزبان رسول ﷺ کے نام کی لاج رکھ لیتا تھا اور ان کی مراد پوری کر دیتا تھا۔“

حضرت ابویوب انصاریؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھالیا اور واپس چلے گئے۔ فتح قسطنطنیہ کی سعادت اللہ تعالیٰ نے تقریباً آٹھ سو سال بعد سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھ رکھی تھی۔ امتدادِ زمانہ سے حضرت ابویوبؓ کا مزار مبارک زمین میں مستور ہو گیا اور سالہا سال تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ میزبان رسول ﷺ کا جسد مبارک کہاں مدفون ہے۔ جب ۸۵۷ھ میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر علم اسلام لہرایا۔ تو اس وقت مزار مبارک کو زمین کھود کر برآمد کیا گیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

فتح قسطنطنیہ

قسطنطنیہ کی فتح تاریخ اسلام کا ایک مہتمم بالشان واقعہ ہے ۸۰۳ھ میں جب تیمور لنگ نے انگورہ کے میدان میں سلطان بایزید یلدرم کو شکست دی تو دنیا نے سمجھ لیا کہ ترک ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے لیکن کسے معلوم تھا کہ اسی بایزید یلدرم کی نسل سے ایسے ایسے اولوالعزم بلند حوصلہ اور جری بادشاہ پیدا ہوں گے کہ جن کی ہیبت سے سلاطینِ یورپ تھرائیں گے اور جن کی سطوت و اقتدار اور جاہ و جلال کا علم لاکھوں مربع میل زمین پر لہرائے گا۔ اسی سلطان بایزید یلدرم کے پڑپوتے سلطان محمد ثانی نے ۸۵۷ھ ہجری میں رومیوں کے عظیم الشان تاریخی پایہ تخت قسطنطنیہ پر صلیب کی بجائے اسلام کا پرچم لہرا دیا اور مؤرخینِ عالم سے ”فاتح“ کا سچا خطاب پایا۔ قسطنطنیہ کی فتح کا خیال قرنِ اول ہی سے مسلمانوں کے دل میں تھا۔ ان کی فتوحات نے ایک دنیا کو اپنے گہرے میں لے لیا تھا لیکن کاتبِ تقدیر نے فتح قسطنطنیہ کی عظیم سعادت اور شہرت کو سلطان محمد فاتحؒ ہی کی ضربِ شمشیر اور عزمِ راسخ کے لیے

قلمبند کر رکھا تھا۔ یہ یکتائے زمانہ مجاہد خاندان عثمانیہ کا ساتواں تاجدار تھا۔ اپنے باپ سلطان مراد ثانی کی وفات کے بعد ۸۵۵ ہجری میں اکیس سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلے ایشیائی امراء کی سرکشی کا خاتمہ کیا اور طربزون اور قرہ مان کی ریاستوں کو سلطنت عثمانیہ کے حلقہ اطاعت میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی تمام تر توجہ قسطنطنیہ کی فتح کی طرف مبذول کر دی۔ سلطان نے پہلے باسفورس کے یورپی ساحل پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کرایا۔ یہ قلعہ اس حصار کے مقابل بنایا گیا جو سلطان بایزید نے اور ایک روایت کے مطابق سلطان محمد اول نے ایشیائی ساحل پر تعمیر کرایا تھا۔ یہ دونوں قلعے آج بھی باسفورس کے پُرشوکت کنارہ پر کھڑے ہیں۔ اول الذکر روایتی حصار کے نام سے مشہور ہے اور مؤخر الذکر اناطولیہ حصار کے نام سے۔

قلعہ کی تعمیر کے بعد سلطان محمد نے قسطنطنیہ کے حصار کے لیے زور شور سے سامان جنگ تیار کرانا شروع کیا۔ ہنگری کے ایک کاریگر سے متعدد دیوپیکر توپیں بنوائیں جن کے کھینچنے کے لیے ساٹھ ساٹھ جوڑ بیل لگتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان میں ایک توپ بارہ من وزن کا سنگی گولہ ایک میل تک پھینک سکتی تھی۔ سلطان کے حکم سے یہ توپ قلعہ کے برج پر لگائی گئی اور آتش فشاں کے میٹھا آلات بھی جمع کر لیے گئے۔ سلطان نے قلعہ میں چار سو سپاہی خاص اس غرض کے لیے متعین کر دیے کہ جو جہاز ادھر سے گزرے اس سے محصول وصول کریں۔ غرض اس طرح قسطنطنیہ کے محاصرے کا آغاز کر دیا گیا۔ دوسرے سال سلطان ادرنہ سے خود نوے ہزار کا جرّار لشکر لے کر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا۔ برکت

۱۔ شمس الملت والہین آقا (آق) شمس الدین کا شمار سلطان محمد فاتح کے عہد کے سرآمد روزگار صوفیہ میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام محمد بن حمزہ تھا اور وہ حضرت شہاب الدین سہروردی کی اولاد سے تھے۔ دمشق میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ہمراہ چھوٹی عمر ہی میں بلادِ روم میں آئے۔ یہاں آ کر علوم متداولہ کی تکمیل کی اور مدرسہ عثمان حق کے معلم ہو گئے۔ ان کا فطری رجحان تصوف کی طرف تھا۔ اس زمانے میں بلادِ روم میں ایک خدارسیدہ درویش حاجی ہیرام کے فضل و کمال کی بڑی شہرت تھی لیکن آقا شمس الدین کا دل ان کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا کیونکہ ان کا قاعدہ تھا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لیے سلطان نے اپنے مرشد حضرت شیخ شمس الدین کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ مسند کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غریب و مساکین کی امداد کرنے اور قرضداروں کے قرض اتارنے کے لئے وہ بازاروں میں گھوم پھر کر صاحب حیثیت لوگوں سے چندہ وصول کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آقا شمس الدین باطنی فیوض کے لیے ایک دوسرے بزرگ شیخ زین الدین خاٹی کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں ایک رات خواب میں دیکھا کہ ان کے گلے میں زنجیر پڑی ہے اور اس کا دوسرا سر احادی ہیرام کے ہاتھ میں ہے۔ خواب سے بیدار ہو کر سیدھے عثمانی جاکر حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچے وہ اس وقت اپنے مریدوں کے ساتھ کھیتی کاٹ رہے تھے۔ آقا بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس سے فارغ ہوئے تو کھانا آیا۔ اس کا ایک حصہ کُتوں کے سامنے رکھ دیا گیا اور باقی حاجی صاحب اور ان کے ساتھی کھانے لگے۔ انہوں نے آقا کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ کھانے کی دعوت دی۔ آقا اٹھے اور کُتوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگے۔ حاجی ہیرام نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ ”نوجوان ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو تم نے تو میرے دل کو موہ لیا ہے۔“ غرض وہ حاجی ہیرام کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں ان کی توجہ سے درجہ کمال پر پہنچ گئے۔ وہ نہ صرف علوم شریعت و طریقت کے متبحر عالم تھے بلکہ ایک حاذق طبیب بھی تھے۔ ایک دفعہ ظلیل پاشا وزیر کا بیٹا سلیمان جلی سخت بیمار ہو گیا اور اس کی جانیری کی کوئی امید نہ رہی۔ وزیر نے اس نازک وقت میں آقا کو اس کے علاج کے لیے بلا بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچے اطباء شایع مریض کے گرد بیٹھے تھے۔ آقا نے پوچھا کیا مرض تشخیص کیا؟ انہوں نے نام بتایا۔ فرمایا ”نہیں سر سام کا علاج کرنا چاہیے۔“ سب نے کہا۔ ”نہیں اس سے مریض یقیناً موت کے منہ میں چلا جائے گا۔“ آقا نے اپنی رائے پر اصرار کیا۔ اس پر سب اطباء وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ آقا نے فوراً قلم اٹھا کر نسخہ لکھ دیا۔ اس کے استعمال کراتے ہی مریض کو افاتہ ہو گیا اور وہ بہت جلد صحت یاب ہو گیا۔ آقا فرماتے تھے کہ اگر میں خاموش رہتا تو یہ طبیب مریض کو مار ڈالتے۔

سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو اس نے آقا شمس الدین اور ایک دوسرے بزرگ آقا (آق) ہقی دونوں سے دعا کی درخواست کی۔ آقا ہقی مہذب تھے وہ تو خاموش رہے لیکن آقا شمس الدین نے بڑے خشوع و خضوع سے سلطان کی فتح کے لیے دعا مانگی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طرف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے کے لیے سلطان نے امیر البحر بالطہ اوغلی سلیمان بک کی قیادت میں جنگی جہاز روانہ کیے۔ ادھر قیصر نے بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے زبردست جنگی تیاریاں کیں اور اسلامی بیڑے کا راستہ روکنے کے لیے غلط سے استنبول تک سمندر میں بڑی مضبوط زنجیریں باندھ دیں اور اپنے جنگی جہاز ان کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیے۔ قیصر کی امداد کے لیے جینوا کا جنگی بیڑا بھی آپہنچا اور مسلمانوں کے لیے سمندر کی طرف سے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی کوئی صورت نہ رہی۔ اسلامی لشکر نے قسطنطنیہ سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا اور رات دن شہر کی تسخیر کے منصوبے بنانے میں مصروف ہو گیا۔ اس موقع پر سلطان نے ایک ایسا تحیر العقول کام کیا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ سلطان کے حکم سے ترکوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان جو سنگلاخ زمین ہے اس پر چھ میل تک صنوبر کی لکڑی کے موٹے تختے بچھا دیے اور ان پر روغن اور چربی مل کر ایسا چکنا کیا کہ جو چیز ان تختوں پر رکھی جاتی پھسلتی جاتی۔ مجاہدین اسلام نے راتوں رات ۸۰ سربلحرکت کشتیاں اور متعدد بڑے جہاز اس عجیب و غریب راستہ پر چلا کر گولڈن ہارن میں قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے سمندر میں اتار دیے۔ اٹائے راہ میں جہاں کہیں ان کو بلندی پر چڑھانا ہوتا وہاں رولروں اور گراہیوں سے کام لیا جاتا۔ اتنے عظیم بیڑے کو خشکی پر چلتا دیکھ کر دشمن پر ناامیدی اور ہراس کی کیفیت طاری ہو گئی۔ رومیوں نے بہر صورت مقابلہ جاری رکھا۔ سلطان کی بڑی فوج نے بھی مناسب فاصلے پر توپیں اور دوسرے آتش فشاں آلات نصب کر دیے۔

سلطان نے قسطنطنیہ پر عام حملہ کے لیے ۱۰ جمادی الآخر ۸۵۷ھ کا دن مقرر کر دیا۔ نو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس کے بعد جب سلطان قسطنطنیہ کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا تو اس نے آقا شمس الدین کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ فتح کے بعد سلطان نے آقا کی خدمت میں دو ہزار اشرفی پیش کی لیکن انہوں نے قبول نہ کی۔ بعد میں وہ سلطان سے رخصت ہو کر اپنے وطن تشریف لے گئے اور باقی ساری عمر وعظ و ہدایت اور درس و تدریس میں گزار دی۔ سال وفات معلوم نہیں ہے۔

اور دس جمادی الآخر کی درمیانی شب لشکرگاہ میں چراغاں رہا اور مجاہدین اسلام سلطان سمیت نہایت خشوع و خضوع سے دعا و عبادت میں مصروف رہے۔ صبح ہوتے ہی اسلامی فوج نہایت جوش و خروش سے شہر کی طرف بڑھی۔ سلطان نے قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں جن میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ آیات سن کر ہر مجاہد کے دل میں شوق شہادت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اسلامی فوج کے پیچھے علماء اور مشائخ کا گروہ تھا جو مسلمانوں کی فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے۔ رومیوں نے نہایت پامردی اور جرأت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کی بے پناہ یلغار کے سامنے ان کے قدم زیادہ دیر تک نہ ٹیک سکے۔ ادھر سلطانی توپوں کے گولوں سے فصیل شہر میں جگہ جگہ شکاف پڑ گئے اور مسلمان فوج تکبیر کے نعرے لگاتی شہر کے اندر داخل ہو گئی۔ قیصر قسطنطین لڑتا ہوا مارا گیا اور رومیوں نے ہتھیار پھینک کر اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اس طرح ۵۳ دن کے پُرصعوبت محاصرے کے بعد شہر فتح ہو گیا۔

”شقائق العجمانیہ“ کے ترک مصنف نے اس موقع کا نقشہ یوں کھینچا ہے:-

”جبکہ وقت موعودہ آ گیا اور شہر کسی طرح فتح نہ ہوا تو سلطان کا وزیر یحییٰ بن محمد خوفزدہ اور پریشان ہو گیا۔ وہ اضطراب کی حالت میں شیخ العصر شمس الدین کے خیمے کی طرف گیا۔ لوگوں نے اسے روکا کہ شیخ نے تاکید کر رکھی ہے کہ کسی کو ان کے خیمے کے اندر نہ آنے دیں۔ لیکن وزیر سراسیمگی کے عالم میں ان کے خیمے کے اندر جا گھسّا۔ کیا دیکھتا ہے کہ شیخ سجدہ میں پڑے ہیں۔ سر بر ہنہ ہے اور نہایت خشوع و خضوع سے دعا کر رہے ہیں۔ چند لمحوں کے بعد شیخ کا ایک اٹھ کھڑے ہوئے۔ زور و شور سے تکبیر کہی اور فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَتَحَنَا هٰذِہِ الْمَدِیْنَہُ ط

(اس اللہ کا شکر جس نے اس شہر کی فتح ہمیں مرحمت فرمائی)

وزیر کہتا ہے کہ شیخ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنتے ہی میں نے شہر کی طرف پلٹ کر دیکھا تو اسلامی فوج شہر میں داخل ہو رہی تھی۔“

سلطان سجدہ شکر میں پشت زین پر سر رکھے ہوئے شہر میں داخل ہوا اور اس عظیم الشان

شہر پر علم اسلام لہرا دیا۔ کسی نے اس فتح عظیم کی کیا خوب تاریخ کہی ہے۔

دام امر الفتح قوم اولون

جازہ بالنصر قوم آخرون

بعض نے اس کا مادہ تاریخ ”بلدۃ طیۃ“ سے نکالا ہے۔ سلطان نے رومیوں کے ساتھ نہایت نرم سلوک کیا۔ ان کو اپنے دینی معاملات میں مکمل آزادی بخشی اور ایسا صوفیہ کے عظیم الشان کنیہ کے سوا تمام گرجے عیسائیوں کے پاس رہنے دیے۔ ایسا صوفیہ کو خدائے واحد کی پرستش کا مقام بنا دیا گیا۔ (اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا مرحوم کی حکومت نے مسجد ایسا صوفیہ کو عجائب گھر میں تبدیل کر دیا۔)

قسطنطنیہ کی فتح نے جہاں دنیائے عیسائیت میں تہلکہ ڈال دیا اور تمام یورپ کو ششدر کر دیا وہاں تمام عالم اسلام میں جشن منایا گیا اور ہر طرف سے ملوک و سلاطین اور علماء و شعراء نے سلطان محمد فاتح کو مبارکباد کے پیغامات بھیجے۔ اس سے پہلے مسلمان قسطنطنیہ پر آٹھ بار حملہ آور ہو چکے تھے۔ پہلا حملہ ۵۲ھ میں ہوا جس میں حضرت ابوالیوب انصاریؒ بھی شریک ہوئے۔ دوسرا حملہ ۹۸ھ میں سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں۔ تیسرا ابن ہشام کے عہد ۱۲۱ھ میں۔ چوتھا مہدی عباسی کے عہد حکومت ۱۶۵ھ میں۔ پانچواں ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں۔ چھٹا اور ساتواں بایزید یلدرم کے عہد میں۔ آٹھواں مراد ثانی کے عہد حکومت ۸۲۵ھ میں۔ نواں اور آخری حملہ سلطان محمد فاتح کا تھا جس میں شہر فتح ہو گیا۔ اور اسی وقت سے قسطنطنیہ ترک بادشاہوں کا پایہ تخت قرار پایا۔

ترتیب ابوالیوبؒ کی تلاش

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت ابوالیوبؒ انصاریؒ کی قبر مدتوں سے زمین میں مستور ہو چکی تھی لیکن دنیا کے ہر مسلمان کو یہ علم تھا کہ اسلام کا یہ بطل جلیل فیصل قسطنطنیہ کے سائے میں مدفون ہے۔ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر قابض ہونے کے فوراً بعد حضرت ابوالیوبؒ کی جائے لحد کی تلاش شروع کر دی۔ کئی میل زمین کو کھدوانا آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ فتح کے تیسرے دن سلطان نے شیخ العصر شیخ شمس الدینؒ سے التجا کی کہ حضرت

ابوایوب انصاریؓ کی تربت کی تلاش میں میری مدد فرمائیے۔

شیخ نے فرمایا کہ میں نے فسیل کے باہر ایک جگہ نور دیکھا ہے جو زمین سے آسمان تک جا رہا تھا کیا عجب کہ حضرت ابوایوبؓ انصاریؓ کی جائے لحد یہی ہو۔ یہ فرما کر حضرتؓ مذکورہ مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ کر کافی دیر تک مراقبہ کیا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا، ”اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روح اقدس سے ملنے کی سعادت نصیب کی۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس فتح عظیم پر مبارکباد دی ہے اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہاری سعی مشکور کی کہ تم نے میری قبر کے قریب سے کفر و شرک کی تمام نجاستیں دور کیں۔“ سلطان نے عرض کی۔ ”یا حضرت! اس بندہٴ پست تقصیر کو بھی کوئی ایسی علامت دکھائیے جس سے میرا دل مطمئن ہو جائے۔“

حضرت شیخ نے پھر مراقبہ کیا اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا:۔ ”اس مقام کو کھودو یقین ہے کہ اسی جگہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر مستور ہے۔“ سلطان کے حکم سے اسی وقت اس جگہ کو کھودا گیا۔ سطح زمین سے چند فٹ نیچے سنگ مرمر کا ایک کتبہ نکلا اس پر عبرانی زبان میں کچھ الفاظ کندہ تھے۔ عبرانی زبان جاننے والوں نے یہ الفاظ پڑھے تو معلوم ہوا کہ یہی حضرت ابوایوبؓ انصاریؓ کی قبر ہے۔ یہ پتھر قبر سے باہر دیوار میں اب بھی لگا ہوا ہے۔

نوجوان سلطان جس نے ابھی اپنی عمر کی صرف تیس بہاریں دیکھی تھیں۔ اپنے آقا و مولا امام الانبیاء علیہ السلام کے اس عظیم المرتبت اور جامع فضائل صحابی کی جائے دفن دیکھ کر فرط مسرت سے بیخود ہو گیا اور بے اختیار سجدہ شکر میں گر پڑا۔ سلطان نے اس مقام پر ایک عظیم الشان گنبد تعمیر کرایا اور اس کے قریب ایک جامع مسجد تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ مسجد مکمل ہو گئی تو سلطان تمام عمائد سلطنت کے ساتھ اس مسجد میں گیا اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد شیخ شمس الدینؒ نے سلطان کے ہاتھ میں تلوار دی اور اسے دعائے خیر و برکت دی۔ اس کے بعد صدیوں تک یہ رسم رہی کہ ترکی کا جو سلطان تخت نشین ہوتا وہ پہلے جامع ابوایوبؓ میں حاضر ہوتا اور شیخ العصر شمس الدینؒ کی عطا کردہ تلوار اپنی کمر پر باندھتا۔ اس

کے بعد باضابطہ اس کی تخت نشینی کا اعلان کیا جاتا۔ گویا یہ رسم ترک بادشاہوں کی کار و ہمیشہ (Coronation) یعنی تاجپوشی کے مترادف بن گئی۔ اتنا ترک مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی میں ملوکیت کا خاتمہ کر کے جمہوریت کی بنیاد رکھی تو اس رسم کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

درگاہ حضرت ابوالیوبؑ انصاری

قسطنطنیہ صدیوں تک اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ گوترکی کا دارالحکومت یہاں سے انقرہ منتقل ہو چکا ہے لیکن حضرت ابوالیوب انصاریؑ کی ابدی آرام گاہ ہونے کی وجہ سے اس شہر کو ”شہرتِ عام اور بقائے دوام“ کا جو درجہ مل چکا ہے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ قسطنطنیہ کا خوشنما اور عظیم الشان گھاٹ (گولڈن ہارن یا شاخِ زرتیں) جس خلیج کے دہانہ پر واقع ہے وہ بھی ”خلیج ابوالیوبؑ“ کے نام سے موسوم ہے۔ قسطنطنیہ کے جس محلے میں حضرت ابوالیوبؑ کا مزار ہے وہ گولڈن ہارن کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ مزار مبارک کی عمارت نہایت رفیع الشان ہے۔ درگاہ میں ہزاروں کبوتر ادھر ادھر اڑتے نظر آتے ہیں۔ قبر کا تعویذ زمین کی سطح سے کم و بیش چھ فٹ اونچا ہے۔ اس کے ارد گرد نہایت خوبصورت جالی لگی ہوئی ہے۔ مزار کی پوری عمارت منقش ہے اعلیٰ درجہ کی تزئین۔ دیدہ زیب پُھول اور دلفریب گلکاری۔ مزار پر نہایت بیش قیمت اور نفیس چادر پڑی رہتی ہے اور چاروں طرف میسوں کتبے لٹکے ہوئے ہیں ان کتبوں کا خط اتنا پاکیزہ ہے کہ دیکھ کر آنکھوں میں نور آتا ہے اور ترکی کے چابک دست خوشنویسوں کی مہارتِ فن کی داد دینی پڑتی ہے۔ مزار مبارک پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ احاطہٴ مزار کے ایک گوشے میں ایک کنواں تھا لوگ تیر کا اس کا پانی گھر لے جاتے تھے۔ مزار مبارک کے قریب ایک قبرستان ہے جو گورستانِ ابوالیوب انصاریؑ کے نام سے مشہور ہے۔ اس گورستان میں دفن ہونا بڑی سعادت کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ ترکی کے کئی اکابر اور مشاہیر علماء و مشائخ اس قبرستان میں دفن ہیں۔

۱۔ ماخوذ از سفرنامہ جناب فتح محمد صاحب شیفتہ ریٹائرڈ ڈپٹی چیف کنٹرولر ایپورٹ اینڈ ایکسپورٹ حکومت پاکستان۔

روضہ مبارک کے قریب ہی سلطان محمد فاتح کی تعمیر کردہ عظیم الشان جامع مسجد آج بھی فتح قسطنطنیہ کی یاد دلا رہی ہے۔ جامع ابوالیوب کی عمارت اور صحن بہت وسیع ہے۔ نماز کے اوقات میں یہاں بہت رونق ہوتی ہے۔ خاص طور پر جمعہ کے دن تو کہیں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ جامع کے ایک کمرے میں سبز چادر میں لپیٹا ہوا ایک علم بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ تاریخی علم ہے جسے حضرت ابوالیوبؒ ائیوں میں علمبردار کی حیثیت سے اٹھاتے تھے۔ سلاطین ترکی کے زمانہ میں مزار سے متعلق ایک مدرسہ بھی تھا جہاں دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مدرسہ بھی حضرت ابوالیوب انصاریؒ کے اسم گرامی سے منسوب تھا۔ افسوس کہ یہ مدرسہ اب بند ہو چکا ہے۔ تاہم تجدّد پسندی کے اس دور میں بھی ترک حضرت ابوالیوب انصاریؒ کے مزار مبارک اور جامع ابوالیوب کی سجد تعظیم کرتے ہیں۔

قسطنطنیہ..... جسے میزبانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن ہونے کا شرف حاصل ہے، شاعر مشرق حکیمُ الاُمّت علامہ اقبالؒ اس کی عظمت کے بارے میں یوں نغمہ بجا ہوئے ہیں۔

نکبتِ مغل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا
اے مسلمان ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کے کشت و خون کا حاصل ہے یہ شہر

۱۔ اس مصرع میں حضرت ابوالیوب انصاریؒ کا نام ”ایوب انصاریؒ“ ضرورتِ شعری یا سہو نظر کی بنا پر لکھا گیا ہے۔

خانگی زندگی

ازواج و اولاد

مختلف روایات کے مطابق حضرت ابویوب انصاریؓ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں۔ ان کی ایک بیوی کا نام اُمّ حسنؓ بنت زید بن ثابتؓ تھا۔ ان کے بطن سے ایک بیٹے عبدالرحمن پیدا ہوئے جس کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا اور ان سے نسل نہیں چلی۔

دوسری زوجہ محترمہ کا نام اُمّ ایوبؓ انصاریہؓ تھا۔ (ان کا اصل نام کسی کتاب میں درج نہیں اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں) یہ خاتون مشہور صحابیہ ہیں اور ان سے کئی احادیث بھی مروی ہیں۔ اپنے شوہر محترم کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف ان کو بھی حاصل ہوا۔ وہی حضور کے لیے کھانا تیار کیا کرتی تھیں۔ حضرت اُمّ ایوبؓ کے بطن سے جو اولاد ہوئی اس میں سے ایوبؓ خالد اور محمد تین بیٹوں اور ایک بیٹی عمرہ کے نام معلوم ہیں۔ حضرت ابویوبؓ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے بڑی کثرت اور ترقی عطا فرمائی۔ دنیائے تصوف کے نامور بزرگ شیخ الاسلام پیر ہرات خواجہ عبداللہ انصاریؓ حضرت ابویوبؓ ہی کی نسل سے تھے اُن کی اولاد نواح ہرات اور افغانستان کے دوسرے علاقوں

۱۔ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؓ ہرونی الملقب بہ پیر ہرات یا پیر ہروی شعبان ۳۹۶ھ میں ہرات یا قندز میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ابو منصور محمد انصاریؓ تھا جو مشہور قاری اور زاہد تھے اور عارف زمانہ شیخ حمزہ عقیلیؒ کے شاگرد تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابویوب انصاریؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں ہرات تشریف لے گئے تھے اور کچھ عرصہ وہاں قیام فرمایا تھا اس لئے ان کی اولاد کو بھی ہرات سے بڑا انس پیدا ہو گیا تھا اور حضرت ابویوبؓ کے ایک پوتے یا پڑپوتے ہرات جا بے تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں آج بھی موجود ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد سے دو بزرگ حضرت یوسف انصاریؒ اور حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خواجه عبداللہ انہیں کی اولاد سے تھے۔ ان کا شمار سلاحدہ عظام کے اکابر محدثین و صوفیہ میں ہوتا ہے۔ ابتدائی زندگی بڑی عسرت اور فلاکت میں گزاری۔ رات کو اپنی پاک نفس والدہ کے ساتھ مل کر عبادت میں مشغول رہتے اور دن کو والد کے ساتھ محنت مزدوری کرتے تھے۔ ۳۱۶ھ میں نیشاپور جا کر یحییٰ بن عمار طاقی سمکھانی اور بشری سجری جیسے فضلاء زمانہ سے قرآن حدیث فقہ اور ادب کی تعلیم حاصل کی اور تصوف میں قاضی ابونصور اردوی سے استفادہ کیا۔ اسی زمانے میں شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی سے بھی ملے اور ان سے فیض اٹھایا۔ ۳۲۳-۳۲۴ھ میں وہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے واپسی میں کچھ دن بغداد ٹھہرے اور پھر مستطہ ہرات میں مقیم ہو گئے۔ انہوں نے ظاہری اور باطنی علوم میں ایسا کمال حاصل کیا کہ تمام عالم اسلام میں دھوم مچ گئی۔ فقہ میں حنبلی مسلک کے پیرو تھے اور احکام شرع کی نہایت سختی سے پابندی کرتے تھے۔ ان کی ذات شریعت اور طریقت کی جامع تھی اور ان کے شب و روز درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں گزرتے تھے۔ بڑے حق گو، بے باک اور شعلہ بیان خطیب تھے ان کی خطبات و مواعظ سے متاثر ہو کر ہزاروں لوگوں نے فسق و فجور سے توبہ کر لی۔ نہایت مستغنی المزاج تھے اور کسی حاکم یا وزیر سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں ہرات اور نواح کے لوگوں کا ہجوم رہتا تھا اور اس کا خرچ ان کے شاگرد برداشت کرتے تھے۔ ۳۷۳ھ میں خواجه عبداللہ کی بصارت معدوم ہو گئی لیکن ان کے وعظ و ارشاد کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ ۲۲ ذی الحجہ ۴۸۱ھ کو اس رُجلِ عظیم نے ہرات میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ مزار آج تک مرجعِ خلائق ہے۔

خواجه عبداللہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے بے مثال اویب اور بلند پایہ شاعر تھے۔ انہوں نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ منازل السائرین دس جلدوں میں ہے اور تصوف کی کتابوں میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ کشف الاسرار و وعدۃ الابرار (تفسیر قرآن) - اس کی بھی دس جلدیں ہیں۔

۳۔ مناجات نامہ - کنز السالکین یا زاد العارفين - ۴۔

۵۔ طبقات الصوفیہ - ۶۔ صد میدان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علاء الدین انصاریؒ ہندوستان تشریف لے آئے۔ ہندوستان اور پاکستان کے انصاریوں کے مورث اعلیٰ یہی دو بزرگ ہیں۔ حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی اولاد و احفاد کے حالات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۸۔ واردات

۷۔ قلندر یہ

۱۰۔ نچ القاص

۹۔ الہی نامہ

خواجہ انصاریؒ کی بعض کتابوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں چمپ چکا ہے اس طرح اہل یورپ بھی ان سے متعارف ہو گئے ہیں۔

خواجہ عبداللہ انصاریؒ کے فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے:-

صد سال اگر در آئسم مہل بود
آں آتش سوزندہ مرا سہل بود
ہا مردم تا اہل مبادا محبت
کز ہر چہ بہتر محبت تا اہل بود

اند رہ حق تصرف آغاز مکن
چشم خود را لعیب کس باز مکن
سر ہمہ بندگان خدا می داند
در خود مگر و فضولی آغاز مکن

حالِ آدم ہیں بہ عزت ہمہ انصاری برو
کز پے یک دانہ ایزد در بہشت اورا بہشت
قاف قربت حق ترا گرمی بیاید جہد کن
خرمن آں کس را منکم شد کہ اول دانہ کشت

دی آدم دنیا مذاں من کارے
امروز زمن گرم نقد بازارے
فردا بروم بے خبر از اسرارے
تا آمدہ رہ بودے ازیں بیارے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مولانا ابو محمد امام الدین رام نگر نے اپنی کتاب ”حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد ہندوستان میں“ کے اندر بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

ذریعہ معاش

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ذریعہ معاش کے متعلق کتبِ سیر میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ یہ بات تمام مؤرخین نے بلا اختلاف لکھی ہے کہ حضرت ابو ایوبؓ قبیلہ ”بنو نجار“ کے رؤسا میں سے تھے۔ چونکہ انصار بالعموم زراعت پیشہ تھے۔ ان کی ریاست و امارت زمین اور باغات کی ملکیت سے مختص تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہجرتِ نبوی ﷺ کے وقت حضرت ابو ایوبؓ اس قدر زمین اور باغات کے مالک ضرور ہوں گے جو انہیں رئیس مشہور کرنے کے لیے کافی تھے۔ ہجرت کے بعد جس دو منزلہ مکان میں سرورِ عالم ﷺ نے نزولِ اِجلال فرمایا وہ بھی حضرت ابو ایوبؓ کی ذاتی ملکیت میں تھا۔ ایک روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مکان سے متصل حضرت ابو ایوبؓ کا ایک (کھجوروں کا) باغ بھی تھا۔

انصار میں صنعت و حرفت کا رواج بہت ہی کم تھا۔ محدودے چند لوگ مختلف دستکاریوں کے ذریعے اپنی معاشی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ہجرت سے پہلے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا ذریعہ معاش پارچہ بانی تھا۔ ہمارا قیاس یہ ہے کہ آپ کا اصل پیشہ تو دوسرے انصار کی طرح کھیتی باڑی ہی تھا۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

درغنا خوانی زمر دم چہ انصاری تو خود
قانع و راضی ز حق بر قسمت ہر روزہ باش
غیر تسلیم درضا انصار یا تعلیم نیست
عقل عاجز را کہ خواند مرد میدان ازل

مولانا عبدالرحمن جامیؒ خلیفہ عبداللہ انصاریؓ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب ”مناقب خلیفہ عبداللہ انصاریؓ“ لکھی جس میں خلیفہ موصوف کے مناقب اور کمالات بڑی شرح و وسط کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

معاشی آسودگی کے لیے آپ نے پارچہ بانی کا اضافی پیشہ اختیار کر رکھا ہو۔
صاحب ”معارض الملوۃ“ نے حضرت ابویوب انصاریؓ کی پارچہ بانی کی طرف ان
الفاظ میں اشارہ کیا ہے:-

”در روایت آن ست کہ چوں ناکہ بر در خانہ ابویوبؓ سینہ بر زمین نہاد و
جبریل علیہ السلام نازل شد و گفت یا محمدؐ ایس جافرو د آ کہ ابویوبؓ حق تعالیٰ
را تو اضع نمودن آں وقت کہ تو بر در مدینہ نزول کردی۔ مردم خانہ ہائے خود
ابرآ راستہ تا آنجا نزول فرمائی، ابویوبؓ در دل خودی گفت کہ من مرد ضعیف
و فقیر بافندہ ام و رسول ﷺ از من عار دار و در خانہ بمن نزول نہ فرماید چوں
او تو اضع نمود و خود را ازین معنی دور دید تو بخانہ او فرو د آئی۔

چنانچہ کشتی نوح علیہ السلام بر کوہ جودی فرو د آ مد بہ سبب او تجلی بطور سینا وارد
گشت بجہت فرقی او۔“

ترجمہ:- ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناکہ نے
حضرت ابویوبؓ کے دروازے پر پہنچ کر اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیا تو حضرت جبریل علیہ
السلام نازل ہوئے اور کہا:- ”اے محمد (ﷺ) اسی جگہ ناکہ سے اتر آئیے کیونکہ ابویوبؓ
نے بارگاہ خداوندی میں اس وقت بڑے عجز کا اظہار کیا ہے۔ جب آپ مدینہ کے
دروازے پر تشریف لائے۔ تو لوگوں نے اپنے مکانوں کی خوب تزئین و آرائش کی تاکہ
آپ ان کے یہاں تشریف فرما ہوں۔ لیکن ابویوبؓ نے اپنے دل میں کہا کہ میں ایک
مسکین اور فقیر پارچہ باف (کپڑا بننے والا) ہوں رسول اکرم ﷺ مجھ سے عار فرمائیں
گے اور میرے یہاں نہ اتریں گے۔ چونکہ انہوں نے بارگاہ الہی میں اپنے عجز اور
درماندگی کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو میزبانی کے شرف کا اہل نہ سمجھا۔ لہذا آپ انہیں کے
مکان میں فروکش ہوں۔

کشتی نوح جو کوہ جودی پر ٹھہری اور تجلی حق تعالیٰ کو بطور نازل ہوئی تو اس کا سبب
بھی ان پہاڑوں کی یہی فریاد تھی:-“

ہجرتِ نبوی ﷺ سے پہلے حضرت ابوالیوب انصاریؓ کا ذریعہ معاش کچھ بھی ہو بہر صورت وہ اپنے خاندان کے آسودہ حال لوگوں میں سے تھے۔ اسی بناء پر مؤرخین نے انہیں بنو تجارت کا رئیس لکھا ہے۔ ہجرت کے بعد جوں جوں اسلام کی فتوحات میں وسعت اور ترقی ہوئی مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوتی گئی۔ حضرت ابوالیوبؓ بھی پہلے سے آسودہ حال ہو گئے اور قیاساً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہجرت کے بعد انہوں نے پارچہ بانی کا پیشہ ترک کر دیا تھا کیونکہ ان کو اس کی احتیاج ہی نہیں رہی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب تمام مسلمانوں کے ان کے حسبِ مراتب روزیئے مقرر کیے۔ تو ملک میں بڑی مشکل سے کوئی صاحبِ احتیاج ملتا تھا۔ حضرت ابوالیوب انصاریؓ کا سالانہ وظیفہ بدری صحابی ہونے کی وجہ سے پانچ (یا چار) ہزار درہم مقرر ہوا اور وہ معاشی تفکرات سے کلیتہً بے نیاز ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کے وظیفہ کی رقم بیس (۲۰) ہزار درہم سالانہ کر دی اور غلاموں کی تعداد میں بھی معتد بہ اضافہ کر دیا۔ ایک مدت تک وہ مدینہ کی امارت پر بھی فائز رہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے جہاں انہیں دینی لحاظ سے عظیم مراتب عطا کیے وہاں دنیوی لحاظ سے بھی ان کو اغنیاء میں شامل کر دیا تھا۔



عظمتِ کردار

حُبِ رسول ﷺ

حضرت ابویوب انصاریؓ اخلاقِ حسنہ کا پیکرِ جمیل تھے۔ ان میں سب سے نمایاں وصف ان کا ذاتِ رسالتاً ﷺ سے والہانہ عشق تھا۔ جس ذوق و شوق سے انہوں نے سرورِ عالم ﷺ کی میزبانی کی اور اس مدت میں جس ایثار اور وفا شعاری کا مظاہرہ کیا وہ ان کے عشقِ رسول ﷺ پر دال ہے۔ مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کے بعد رسول کریم ﷺ اس سے منقطعِ حجروں میں منتقل ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد بھی حضور ﷺ کبھی کبھی خانہ ابویوبؓ کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔

ایک دن سرورِ کونین ﷺ کے خانہ اقدس میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ اتر پڑے گھر بھی یہی حال تھا۔ حضور ﷺ بھوک کی حالت میں خانہ اقدس سے باہر نکلے۔ راستے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مل گئے۔ اتفاق سے وہ بھی اس دن فاقہ سے تھے۔ سرورِ کونین ﷺ ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابویوبؓ کے گھر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت حضرت ابویوبؓ اپنے کھجوروں کے باغ میں گئے ہوئے تھے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت ابویوبؓ کی زوجہ محترمہ نے حضور ﷺ کو اہلا و سہلا کہا۔ حضور ﷺ نے پوچھا ”ابویوب کہاں ہے؟“ حضرت ابویوبؓ کا باغ مکان کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی آواز سنی تو کھجوروں کا ایک گچھا ٹوڑ کر دوڑتے ہوئے گھر آئے اور یہ گچھا مہمانانِ عزیز کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی فوراً ایک بکری ذبح کی۔ آدھے گوشت کا ساٹن پکوا یا اور آدھے

کے کباب بنوائے اور حضور ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ حضور ﷺ نے ایک روٹی پر کچھ گوشت رکھ کر فرمایا:-

”اسے فاطمہ کو بھیج دو اس پر کئی دن کا فاقہ ہے۔“

حضرت ابویوبؓ نے تعمیل ارشاد کی اور حضور ﷺ نے اپنے رفقاء کرامؓ کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ پُر تکلف کھانا کھاتے ہوئے حضور ﷺ پر رقت طاری ہو گئی اور آپؐ نے فرمایا:-

”حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے دنیاوی نعمتوں کے بارے

میں پوچھا جائے گا۔“ (یعنی ان نعمتوں کا حق تم نے کیسے ادا کیا۔) (حکایات صحابہ)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابویوبؓ کے مکان سے اپنے حجروں میں منتقل ہو گئے تو آپ کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے وہ روزانہ حضور ﷺ کی خدمت میں دودھ بھیجا کرتے تھے۔ ان انصار میں حضرت ابویوبؓ بھی تھے۔

سرور کونین ﷺ سے والہانہ محبت کی یہ کیفیت حضرت ابویوبؓ میں تمام عمر رہی۔ وصالِ نبویؐ کے بعد عاشقانِ رسول ﷺ روضہ اطہر کو دیکھ کر اپنے جذباتِ عشق و محبت کو تسکین دے لیا کرتے تھے۔ حضرت ابویوبؓ بھی اکثر روضہ پاک پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ مُسَدِّ احمد بن حنبل میں ہے کہ مروان بن الحکم کی امارتِ مدینہ کے دنوں میں ایک دفعہ حضرت ابویوب انصاریؓ روضہ اطہر پر حاضر ہوئے اور جوشِ عشق میں اپنا چہرہ صریحِ اقدس سے مَس کرنا اور گزنا شروع کیا۔ اتفاق سے مروان بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے حضرت ابویوبؓ سے مخاطب ہو کر کہا:-

”آپ کا یہ فعل خلافِ سنت ہے۔“

حضرت ابویوبؓ نے جواب دیا:-

”مروان! میں کسی اینٹ اور پتھر کے ڈھیر کے پاس نہیں آیا بلکہ رسول اکرم ﷺ کی

خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں۔“

خاندانِ نبوت سے تعلقِ خاطر

حضرت ابویوبؓ کو خاندانِ نبوت کے تمام افراد سے مخلصانہ تعلقِ خاطر تھا۔ وصالِ نبوی کے بعد وہ ان چند صحابہ کرامؓ میں سے تھے جنہوں نے کھلم کھلا حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد خلافتِ مرتضوی کے دوران میں وہ حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کے پرجوش رفیق اور جاں نثار رہے۔ خاندانِ نبوت سے اس تعلقِ خاطر کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ اور رسولِ اکرم ﷺ کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کی نظروں میں حضرت ابویوبؓ کی بیحد قدر و منزلت تھی۔

جس زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ (حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کی طرف سے) بصرہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابویوبؓ انصاری ان کی ملاقات کے لیے بصرہ تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان کی تشریف آوری سے کمالِ درجہ کی مسرت ہوئی۔ انہوں نے بصرہ میں اپنا مکان ساز و سمیت حضرت ابویوبؓ کی نذر کر دیا اور کہا کہ جس طرح آپ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کے لیے اپنا گھر خالی کر دیا تھا۔ اسی طرح میری دلی مسرت بھی اسی میں ہے کہ آپ کی میزبانی کے لیے اپنا گھر خالی کر دوں اور اس کے اندر جو مال و اسباب ہے وہ آپ کی نذر کر دوں۔

واقعہً اُلک میں جب منافقین نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی تو ابویوبؓ کی اہلیہ اُمّ ایوبؓ نے ان سے پوچھا: ”لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ آپ نے سنا؟“ بولے: ہاں، لیکن یہ سب جھوٹ ہے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ لوگ جس بات سے اُمّ المؤمنین کو متہم کر رہے ہیں کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟“ اُمّ ایوبؓ نے کہا: ”خدا کی قسم ہرگز نہیں۔“ فرمایا: ”اگر تم ایسا نہیں کر سکتیں تو عائشہ صدیقہؓ کا درجہ اور کردار تو تم سے بہت بلند ہے۔“

شوقِ جہاد

ایک مسلمان کے سارے اعمال میں جہاد فی سبیل اللہ افضل ترین عمل ہے۔ حضرت

ابوایوبؓ انصاری کا مطلع اخلاق جوش ایمان اور شوقِ جہاد کے انوار سے روشن تھا۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ وصالِ نبویؐ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں طویل سفر کر کے کئی معرکوں میں مجاہدانہ حیثیت سے شریک ہوئے پھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں جنگِ نہروان میں خوارج کے خلاف نمایاں حصہ لیا۔ شوقِ جہاد کی انتہائی تہی کہ اسی (۸۰) سال سے اوپر کی عمر میں غزوہٴ روم میں شرکت کے لیے مدینہ منورہ سے مصر پہنچے اور پھر وہاں سے بحیرہ روم کو عبور کر کے قسطنطنیہ پہنچے۔

حق گوئی و بے باکی

حضرت ابوایوبؓ انصاریؓ نہایت حق گو اور بیباک تھے۔ کوئی بڑی سے بڑی طاقت انہیں اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ حق گوئی کی شان یہ تھی کہ ایک دفعہ مصر کے گورنر حضرت عقبہ بن عامرؓ جہنی نے نمازِ مغرب میں کسی سبب سے دیر کر دی۔ حضرت ابوایوبؓ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے برملا کہا۔ ”مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ يَا عَقِبَةُ؟“ عقبہ یہ کیسی نماز ہے؟ حضرت عقبہؓ نے جواب دیا کہ ایک کام کی وجہ سے اتفاقاً دیر ہو گئی۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا۔ ”یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ مت بھولو کہ تم رسول اللہ کے صحابی ہو تمہارا قول و فعل لوگوں کے لیے حجت بن سکتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ مغرب میں عجلت کی تاکید فرمائی ہے اگر تم صاحبِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہوئے بھی نماز میں تاخیر کرو گے تو لوگ سمجھیں گے کہ حضور ﷺ بھی ضرور اسی وقت نماز ادا کرتے ہوں گے یا دیکھو کہ کسی صحابی کا کوئی فعل نبی اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔“

حضرت عقبہؓ نے آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔

ایک دفعہ حاکمِ مدینہ مروان بن الحکم نے محض اپنی کابلی کے باعث مساجد کے اماموں کو بلا کر تاکید کی کہ نمازِ ذرا دیر کر کے پڑھا کرو تاکہ میں بھی جماعت میں شریک ہو

سکوں۔ حضرت ابویوبؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ فوراً مروان بن حکم کے پاس گئے اور فرمایا تمہیں نماز میں تاخیر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اگر تم نماز کی تقدیم و تاخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرو گے تو ہم تمہاری مخالفت کریں گے اور اگر حضور کے عمل کو مشعل راہ بناؤ گے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔

ایک لڑائی میں حضرت عبدالرحمن بن خالدؓ (بن ولید) نے چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں بند ہوا کر قتل کرادیا۔ حضرت ابویوبؓ انصاریؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا۔ ”یہ تو سفاکی اور وحشت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں سے ایسے وحشیانہ سلوک کی ممانعت فرمائی ہے خدا کی قسم میں تو اس طریقہ سے ایک مرغ کو بھی مارنا جائز نہیں رکھتا۔“ عبدالرحمنؓ نے اسی وقت کفارہ کے طور پر چار غلام آزاد کیے۔

حضرت ابویوبؓ حق گوئی کے ساتھ بجد کریم انفس اور رقیق القلب بھی تھے۔ غزوہٴ روم میں بہت سے رومی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ انہیں جہاز میں سوار کرادیا گیا۔ اتفاقاً حضرت ابویوبؓ ان قیدیوں کی طرف جانکے۔ دیکھا تو ایک قیدی عورت پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ دیکھ کر بیقرار ہو گئے۔ اس کے گریہ بیکی کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس کا بچہ اس سے چھین لیا گیا ہے اور جہاز میں کسی اور جگہ رکھا گیا ہے۔ حضرت ابویوبؓ غوراً اس بچہ کو پکڑ لائے اور اس کو ماں کے حوالے کردیا۔

قیدیوں کے افسر نگران کو حضرت ابویوبؓ کا یہ کام ناگوار گزرا۔ اس نے سپہ سالار سے اس دخل در اندازی کی شکایت کی۔ سپہ سالار نے آپ کو طلب کر کے باز پرس کی تو فرمایا۔ ”رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنگرانہ طریق سے منع فرمایا ہے اب تم سمجھ لو کہ میں ایسا جو رستم اپنی آنکھوں کے سامنے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔“

امیر عسکر خاموش ہو گیا۔

غلام نوازی

حضرت ابویوبؓ انصاریؓ کے ایک غلام فلاح نامی تھے۔ انہوں نے فلاح کو مکاتب بنا

کر آزاد کرنا چاہا۔ لوگوں میں یہ خبر پھیلی تو انہوں نے اُح کو مبارکباد دی۔ اسی اثناء میں حضرت ابویوبؓ کا ارادہ کسی وجہ سے بدل گیا اور انہوں نے اُح کو کہلا بھیجا کہ تمہیں مثل سابق غلام بن کر رہنا ہوگا۔

اُح کے اہل و عیال پر مکاتبت کی تنسیخ ناگوار گزری لیکن اُح حضرت ابویوبؓ کے حُسنِ اخلاق کے اتنے مداح تھے کہ انہوں نے برضا و رغبت معاہدہ مکاتبت کو فسخ کر دیا اور حضرت ابویوبؓ کی خدمت میں آ گئے۔ چند دن بعد حضرت ابویوبؓ نے انہیں بلا شرط آزاد کر دیا اور فرمایا جو مال تمہارے پاس ہے وہ سب تمہارا ہے میں تم سے کچھ نہیں لوں گا۔

جذبہ اصلاح

حضرت ابویوبؓ کے قلبِ صافی میں ہر وقت مسلمانوں کی اصلاح کا جذبہ موجزن رہتا تھا۔ خلافِ سنت امور کو دیکھ کر ان کا دل تڑپ اٹھتا تھا۔ ایک دفعہ شام اور صبح شریف لے گئے وہاں مسلمانوں کے گھروں میں پاخانے قبلہ رخ بنے ہوئے تھے۔ اُن کو یہ صورت بہت بری معلوم ہوئی بار بار فرماتے۔ ”مسلمانو! پاخانوں کا قبلہ رخ بنانا بہت برا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم پاخانے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ ادھر پشت کرو۔“ حضرت ابویوبؓ سے مروی اس حدیث پاک کی اس قدر اشاعت ہوئی کہ آج مسلمانوں کا بچہ بچہ قبلہ رخ ہو کر پیشاب یا پاخانہ کرنے کو گناہ سمجھتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت سالمؓ بن عبد اللہ انصاری نے حضرت ابویوبؓ کو دعوتِ ولیمہ میں بلایا۔ وہ ان کے مکان پر گئے تو دیکھا کہ دروازے پر تصویر دار پردے لٹک رہے ہیں۔ حضرت ابویوبؓ یہ دیکھ کر سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔ حضرت سالمؓ کو ملامت کی اور مکان کے اندر داخل نہیں ہوئے۔

حیا

حضرت ابویوبؓ کی شرم و حیا کی یہ کیفیت تھی کہ جب کبھی گھر سے باہر کنوئیں پر نہانے کا اتفاق ہوتا تو چاروں طرف سے کپڑے کی اوٹ کر لیتے تھے۔

فضل و کمال

حفظ قرآن

حضرت ابویوبؓ انصاریؓ ان جلیل القدر صحابہؓ میں شامل ہیں جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ علامہ دیرمیؒ نے ”حیۃ الحیوان“ میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ سرور کونین ﷺ کے سامنے قرآن حفظ کر چکے تھے ان میں حضرت ابویوب انصاریؓ کا نام بھی موجود ہے۔ محمد بن کعب قرظی کے نزدیک رسالت مآب ﷺ کے زمانہ میں صرف پانچ آدمیوں نے قرآن مجید حفظ کیا تھا ان میں حضرت ابویوبؓ بھی تھے۔ دوسری روایتوں میں عہد رسالت کے حفاظ قرآن میں متعدد دوسرے صحابہ کرامؓ کے نام بھی ملتے ہیں۔ بہر صورت حضرت ابویوبؓ کا حفظ قرآن اکثر ارباب سیر کے نزدیک مُسَلَّم ہے۔

علمی مرتبہ

حضرت ابویوبؓ علم و فضل کے اعتبار سے ایک مُتَجَرِّع عالم تھے اور ایک دنیا آپ کے کمالات علمی کی معترف تھی۔ اس معاملہ میں ان کو مرجعیت عامہ کا شرف حاصل تھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ ان سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات جب کسی اختلافی مسئلہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تو اسے بہترین طریق پر حل کر دیتے۔ جن صحابہ کرامؓ نے حضرت ابویوبؓ سے علمی استفادہ کیا ان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انسؓ بن مالکؓ حضرت براءؓ بن عازبؓ حضرت ابوامامہؓ باہلیؓ حضرت زیدؓ بن خالدؓ جہنیؓ

حضرت عبداللہ بن یزید عطمی، حضرت مقدم بن معدیکرب، حضرت جابر بن سمرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اکابر تابعین میں حضرت عروہ بن زبیر، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سالم بن عبداللہ، حضرت عطاء بن یسار، حضرت عطاء بن یزید لیثی، حضرت ابوسلمہ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی لیثی، حضرت ابویوبؓ کے کمالات علمی سے فیض یاب ہوئے۔

تَفَقُّہُ فِی الدِّین

حضرت ابویوب انصاریؓ کو "تَفَقُّہُ فِی الدِّین" میں کمال حاصل تھا۔ اور بڑے بڑے پیچیدہ مسائل آن واحد میں نہایت خوش اسلوبی سے حل کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت مسور بن مخرمہ میں اس بارے میں اختلاف رائے پیدا ہوا کہ ایک شخص احرام کی حالت میں غسل جنابت کرتے وقت اپنے ہاتھ سے سر مل سکتا ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ محرم اپنا سر دھو سکتا ہے یا نہیں۔ حضرت مسور بن مخرمہ کے نزدیک سر دھونا جائز نہیں تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کے جواز کے حق میں تھے۔ دونوں بزرگوں نے عبداللہ بن حسین کو حضرت ابویوبؓ کے پاس بھیجا کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے کیا ہے۔ جب عبداللہؓ حضرت ابویوبؓ کے گھر پہنچے تو اتفاق سے وہ اس وقت دو لکڑیوں پر چادر سے پردہ کیے غسل ہی کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے بلند آواز سے اختلافی مسئلہ میں ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت ابویوبؓ نے اوٹ سے اپنا سر باہر نکالا اور اس پر ہاتھ لے جا کر اتارا۔ پھر ایک شخص سے کہا پانی ڈالو۔ اس نے آپ کے سر پر پانی ڈالا تو آپ نے ہاتھوں سے سر کو (کسی قدر) حرکت دی پھر ہاتھوں کو سر پر آگے سے پیچھے لے گئے اور واپس لائے۔ پھر فرمایا۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح غسل فرماتے اور سر مبارک دھوتے ہوئے دیکھا ہے۔"

ابن اسحاق بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک دن ان میں اور بعض دوسرے اصحاب میں اس مسئلہ پر بحث چھڑ گئی کہ نیند کس برتن میں بنائی جاسکتی ہے۔ قرع (برتن) پونزاع پیدا ہوئی تھی۔ اتفاق سے حضرت ابویوب انصاریؓ ادھر سے گزرے۔ بحث میں

شریک لوگوں نے ایک آدمی کو آپ کے پاس دوڑایا اور اس میں ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت ابویوبؓ نے فرمایا۔ ”رسول اکرم ﷺ نے معرفت میں نیند بنانے سے منع فرمایا ہے۔“

اس شخص نے قرع کے لفظ کی تکرار کی مگر حضرت ابویوبؓ نے پھر وہی پہلا جواب دیا۔ عاصم بن سفیان ثقفی جنگِ سلاسل میں شمولیت سے محروم رہ گئے تھے اس میں ان کے ارادہ کو کچھ دخل نہ تھا۔ وہ گھر سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے ہی میں تھے کہ جنگ ختم ہونے کی اطلاع ملی۔ انہیں جہاد سے محرومی کا بہت دکھ ہوا۔ حسرت و یاس کے عالم میں امیر معاویہؓ کے پاس گئے۔ اس وقت ان کے پاس حضرت ابویوب انصاریؓ اور حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی بھی موجود تھے۔ تینوں جلیل القدر صحابی تھے اور کمالِ علمی سے بہرہ ور تھے۔ عاصم نے براہِ راست حضرت ابویوبؓ سے مسئلہ دریافت کیا اور امیر معاویہؓ اور حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی کی طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت ابویوبؓ نے ان کے استفسار کا جواب تو دے دیا لیکن دوسرے دونوں بزرگوں کی طرف عاصم کی بے توجہی انہیں پسند نہ آئی۔ عاصم کو جواب دے کر وہ خود حضرت عقبہؓ بن عامر کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ ”کیوں عقبہؓ میں نے صحیح جواب دیا ہے۔“

حضرت عقبہؓ نے ان کے جواب کی تصدیق کی۔ اس واقعہ سے جہاں حضرت ابویوبؓ کے مبلغِ علم کی وسعت کا پتہ چلتا ہے وہاں ان کی منکسر المزاجی اور وسیع النظر فی کاشیوت بھی ملتا ہے۔

حضرت ابویوبؓ کو حدیث سے جو وبالہائے شغف تھا اس کا حال اگلے باب میں آئے گا۔



شَغَفِ حَدِيث

طلبِ حدیث

حضرت ابویوب انصاریؓ کو حدیثِ رسول ﷺ کی سماعت کا بجمد شوق تھا۔ امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں حضرت عقبہؓ بن عامر مصر کے امیر الخراج تھے۔ حضرت عقبہؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ حضرت ابویوبؓ کو معلوم ہوا کہ وہ ایک خاص حدیث کے راوی ہیں۔ ان کو اس حدیث کی سماعت کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس کے شوقِ سماعت

۱۔ ابو عمر عقبہؓ بن عامر جہنی مشہور صحابی ہیں۔ رسول اکرمؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ جا کر مشرف باسلام ہوئے اور سرورِ عالمؐ کی خدمت گزاری کو اپنا شعار بنالیا۔ سفر میں حضورؐ کی سواری کھینچنے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے اور اکثر حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ انہوں نے عہدِ فاروقی کے شامی معرکوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ جنگِ صفین میں امیر معاویہؓ کے طرف دار تھے۔ انہوں نے اپنے عہدِ حکومت میں عقبہؓ کو مصر کا امیر الخراج اور امام بنادیا۔ ۴۷ھ میں امیر معاویہؓ کے ایماء سے روؤس پر حملہ کیا اور اسی حملہ کے دوران میں مصر میں ان کے منصب پر مُسلمہ بن مخلد مقرر کر دیے گئے۔ حضرت عقبہؓ نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔ وہ قرآنِ حدیث اور فقہ میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ خطابت اور شاعری میں بھی دخل تھا۔ سپاہیانہ فنون اور اسلحہ سے بڑی دلچسپی تھی بالخصوص تیر اندازی میں کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے۔ راہِ حق میں بڑی فیاضی سے خرچ کرتے تھے اور لوگوں کو دوسرے کے عیوب ظاہر کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ ان سے ۵۵ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سات متفق علیہ ہیں۔ ایک میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں۔ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور قرآنِ حکیم کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ قرآنِ مجید کے قاری تھے اور بڑے ذوق و شوق سے اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

نے بے چین کر دیا اور پیرانہ سالی کے عالم میں صرف ایک حدیث سننے کے لیے مدینہ منورہ سے مصر کا پُرصوبت اور طویل سفر اختیار کیا۔ مصر پہنچ کر پہلے حضرت مسلمہ بن مخلد کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ میزبان رسول سے ملاقات کر کے نہایت مسرور ہوئے اور پھر پوچھا کہ سفر مصر کی زحمت کیسے گوارا فرمائی۔ حضرت ابویوبؓ نے فرمایا کہ میں عقبہؓ سے ایک حدیث سننے آیا ہوں کیونکہ عالم اسلام میں اس وقت اس حدیث کے جاننے والا اور کوئی نہیں۔ مجھے عقبہؓ کے مکان کا پتہ بتا دیجیے۔

غرض مسلمہؓ سے وداع ہو کر حضرت عقبہؓ کے مکان پر پہنچے اور ان سے وہ خاص حدیث دریافت فرمائی۔ جب وہ حدیث سنا چکے تو ان کا شکر یہ ادا کیا اور اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لیے چل دیے۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب ”جامع بیان العلم وفضلہ“ میں ابو سعید اعلیٰ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جس حدیث کے سننے کی خاطر حضرت ابویوب انصاریؓ نے مدینہ منورہ سے مصر کا طویل سفر اختیار کیا وہ یہ تھی:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے مومن کی ایک برائی ڈھکی قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔“

مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ یہ حدیث حضرت مسلمہ بن مخلد انصاریؓ کے پاس تھی

۱۔ حضرت مسلمہ بن مخلد انصاریؓ کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا ہے وہ انصار کے خاندان خزرج سے تھے۔ راہ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی کی وجہ سے غزوات نبویؐ میں شریک نہ ہو سکے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں تخیر مصر میں نمایاں حصہ لیا۔ حضرت عمرؓ انہیں ایک ہزار شجاعان عرب کے برابر تسلیم کرتے تھے۔ جنگ صفین میں امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ۴۷ھ میں حضرت مسلمہ بن عمروؓ اور افریقہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ مسلمہؓ نے اپنے فرائض منصبی نہایت بیدار مغزی اور ہوشیاری سے انجام دیے اور اپنے عہد امارت میں بربروں اور رومیوں کے خلاف کئی بڑی اور بحری مہمیں بھیجیں۔ محکمہ مذہبی کے افسر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے انہوں نے مساجد میں اذان اور روشنی کا نہایت عمدہ انتظام کیا۔ ۶۲ھ میں وفات پائی۔ قرآن کے حافظ تھے اور حدیث میں بھی مرجع خلافت تھے۔

اور حضرت ابویوبؓ یہ حدیث سننے کے لیے حضرت مسلمہؓ ہی کے پاس مصر گئے تھے۔ حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی بھی اسی غرض سے ان کے پاس گئے تھے اور حدیث سنی تھی۔ صورت واقعہ کچھ بھی ہو یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابویوبؓ سماع حدیث کے لیے مصر تشریف لے گئے تھے۔

اشاعت حدیث

حضرت ابویوب انصاریؓ کو اشاعت حدیث کا بڑا خیال رہتا تھا اور وہ لوگوں کو نہایت شوق سے حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ کسی شخص کو خلاف سنت فعل میں مصروف دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور اپنی تنبیہ کے جواز میں اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سناتے۔ اشاعت حدیث کے چند واقعات ان کی حق گوئی کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس پاکیزہ شوق کی انتہا یہ تھی کہ بستر مرگ پر بھی اشاعت حدیث میں مصروف تھے۔ اس وقت لوگوں نے ان سے ایک ایسی حدیث سنی جو اس سے پیشتر صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے علم میں نہ تھی۔ انہوں نے اس موقع پر لوگوں کو بتایا کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرتی کہ وہ ان کی مغفرت کرے۔“

روایت حدیث

حضرت ابویوب انصاریؓ سے ایک سو پچاس (۱۵۰) احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے پانچ متفق علیہ ہیں۔ ”دائرۂ معارف اسلامیہ“ میں ہے کہ جلاء القلوب کے مصنف نے حضرت ابویوبؓ کی مرویات کی تعداد ۲۱۰ بتائی ہے، لیکن جمہور علماء نے ان سے مروی احادیث کی تعداد ۱۵۰ ہی بتائی ہے۔ بہر صورت روایت حدیث کے لحاظ سے حضرت ابویوبؓ کا شمار صحابہ کرامؓ کے طبقہ سوم میں ہوتا ہے یعنی وہ صحابہ کرامؓ جن کی روایتیں سویا سو سے زیادہ مگر پانچ سو سے کم ہیں۔ اس طبقہ میں حضرت ابویوبؓ انصاری سمیت کل چھبیس صحابہ ہیں۔ جن صحابہ کرامؓ نے حضرت ابویوبؓ سے روایات بیان کی ہیں ان میں

سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت انسؓ بن مالکؓ حضرت ابوامامہؓ بابلیؓ حضرت برائہؓ بن عازبؓ حضرت زیدؓ بن خالدؓ جہنیؓ حضرت عبداللہ بن یزیدؓ عظمیٰؓ حضرت جابرؓ بن سمرہؓ حضرت ابوصرمہؓ انصاریؓ حضرت مقدمؓ بن عمروؓ بن معدی کرب۔

حضرت ابوالیوبؓ انصاریؓ سے مروی چند احادیث بطور تمسک نیچے درج کی جاتی ہیں:-

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر عید الفطر کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے تو اس نے گویا سال بھر کے روزے رکھے۔ (صحیح مسلم)

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم رفع حاجت کو جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھا کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کر کے۔ (نہ پیشاب کے وقت اور نہ جائے ضرور کے وقت بلکہ پورب یا چھتم کے رخ بیٹھا کرو)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں صبح و شام کوشش کرنا بہتر ہے ہر اس شے سے جس پر آفتاب طلوع اور غروب ہوا۔ (یعنی جہاد دنیا کی ہر چیز سے افضل ہے) (صحیح مسلم)

۴- ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے بہشت میں داخل کرے اور آگ سے دور کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تو اللہ کی عبادت کر۔ کسی کو اس کا شریک نہ کر۔ نماز قائم کر۔ زکوٰۃ ادا کر اور برادری کے لوگوں سے ملاپ کر۔ (صلہ رحمی کر) (صحیح بخاری)

۵- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو حلال و درست نہیں کہ اپنے بھائی مسلمان سے تین رات سے زیادہ ایسی جدائی کرے (ناراض رہے) کہ دونوں ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے منہ پھیر لیں۔ وہ بھی اور یہ بھی۔ اور ان دونوں میں سے بہتر وہ شخص ہے جو سلام علیک پہلے کہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۶- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے اور پیتے تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ

أَطْعَمَ وَسَقَى وَجَعَلَ لَهُ مَخْرَجًا یعنی ہر طرح کی تعریف اللہ کو سزاوار ہے جس نے کھلایا پلایا اور اس کھانے پینے کی چیز کو آسانی کے ساتھ خلق سے اتارا اور اس کے نکلنے کی راہ پیدا فرمائی۔ (ابوداؤد)

- ۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار باتیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔ ایک حیا، دوسرے خوشبو لگانا، تیسرے مسواک کرنا اور چوتھے نکاح کرنا۔ (ترمذی)
- ۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے، نماز اچھی طرح پڑھے۔ زکوٰۃ ادا کرے۔ کبار سے بچتا رہے مگر وہ ضرور بالضرور بخت میں جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا۔ ”یا رسول اللہ کبار کی تفصیل کیا ہے۔“ فرمایا۔ ”خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جہاد سے بھاگ جانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا یہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔“

(متدرک حاکم)

- ۹۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شخص شرک سے پاک و صاف مر جائے گا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ (مسند احمد)
- ۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اس سے کھانے میں برکت ہوگی ورنہ اس میں بے برکتی ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

- ۱۱۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے اور مختصر فرمائیے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو۔) آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہہ کر دنیا سے رخصت ہونے والا ہو اور (دوسری بات یہ یاد رکھو کہ) ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے..... اور (تیسری بات یہ یاد رکھو کہ) آدمیوں کے پاس اور ان کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اپنے کو قطعاً مایوس کر لو (یعنی تمہاری امیدوں کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ ہو اور مخلوق

کی طرف سے اپنی امیدوں کو منقطع کرلو)

(مُسْنَدِ اَحْمَد)

۱۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت ہمیشہ خیر میں رہے گی۔
(یا فرمایا کہ طریقہ نجات پر رہے گی) جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی دیر کر کے نہ
پڑھے کہ ستارے گنجان ہو جائیں (یعنی ستاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے)
(سُنَنِ ابْنِ دَاوُد)

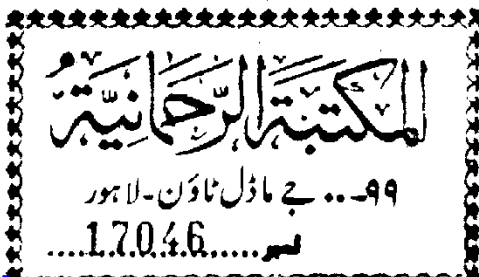
کتابیات

اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں جن کتابوں سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں:-

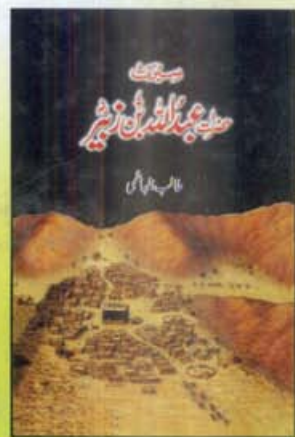
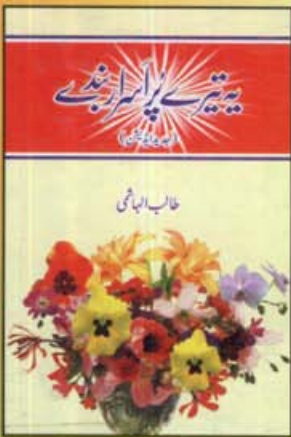
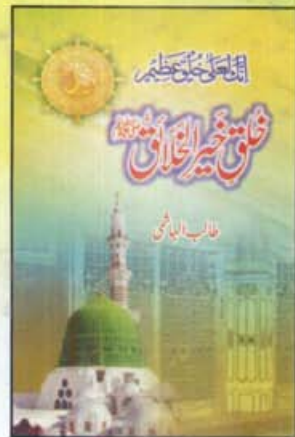
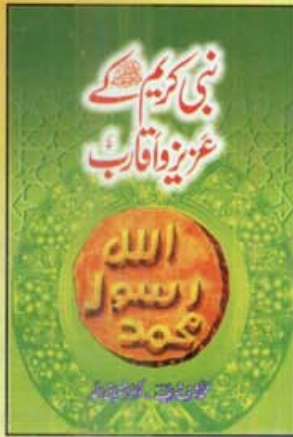
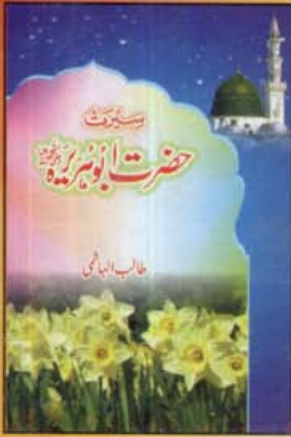
- ۱- جامع الاح امام بخاریؒ
- ۲- صحیح مسلم امام مسلمؒ
- ۳- مسند احمد امام احمد بن حنبلؒ
- ۴- کتاب الإصابہ ابن حجر عسقلانیؒ
- ۵- أسد الغابہ ابن اثیرؒ
- ۶- طبقات الکبیر ابن سعدؒ
- ۷- تاریخ طبری محمد بن جریر الطبریؒ
- ۸- البدایہ و النہایہ ابن کثیرؒ
- ۹- مشارق الانوار رضی الدین حسن بن حسن ضعافؒ
- ۱۰- ریاض الصالحین امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نوویؒ
- ۱۱- السیرۃ النبویہ ابن ہشامؒ
- ۱۲- ارض القرآن سید سلیمان ندویؒ
- ۱۳- مہاجرین شاہ معین الدین احمد ندویؒ
- ۱۴- تاریخ الحرمین الشریفین عبدالسلام ندویؒ
- ۱۵- سیرۃ النبی ﷺ (جلد اول) شبلی نعمانیؒ
- ۱۶- سیر انصار (جلد اول) سعید انصاریؒ

- ۱۷۔ سیرتِ کمری ابوالقاسم رفیق دلاوری
- ۱۸۔ حقائق الاخبار عن دول البحار اسماعیل بک
- ۱۹۔ قسطنطنیہ نواز علی خان
- ۲۰۔ رَحْمَةُ الْعَالَمِينَ عابد میاں عثمانی
- ۲۱۔ زاد المعاد ابن قیم
- ۲۲۔ ارو و دائرہ معارفِ اسلامیہ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) پنجاب یونیورسٹی
- ۲۳۔ اشاعتِ اسلام مولانا محمد حبیب الرحمن
- ۲۴۔ سیر الصحابہ جلد ہفتم شاہ معین الدین احمد ندوی

www.KitaboSunnat.com



ہماری دیگر مطبوعات



طلبہ پبلی کیشنز

اردو بازار لاہور فون: 7231391

ISBN 969-8810-06-4

